جاسوسی دنیا
13
ہیرے کی کان
ابنِ صفی
اسرار پبلیکیشنز لاہور
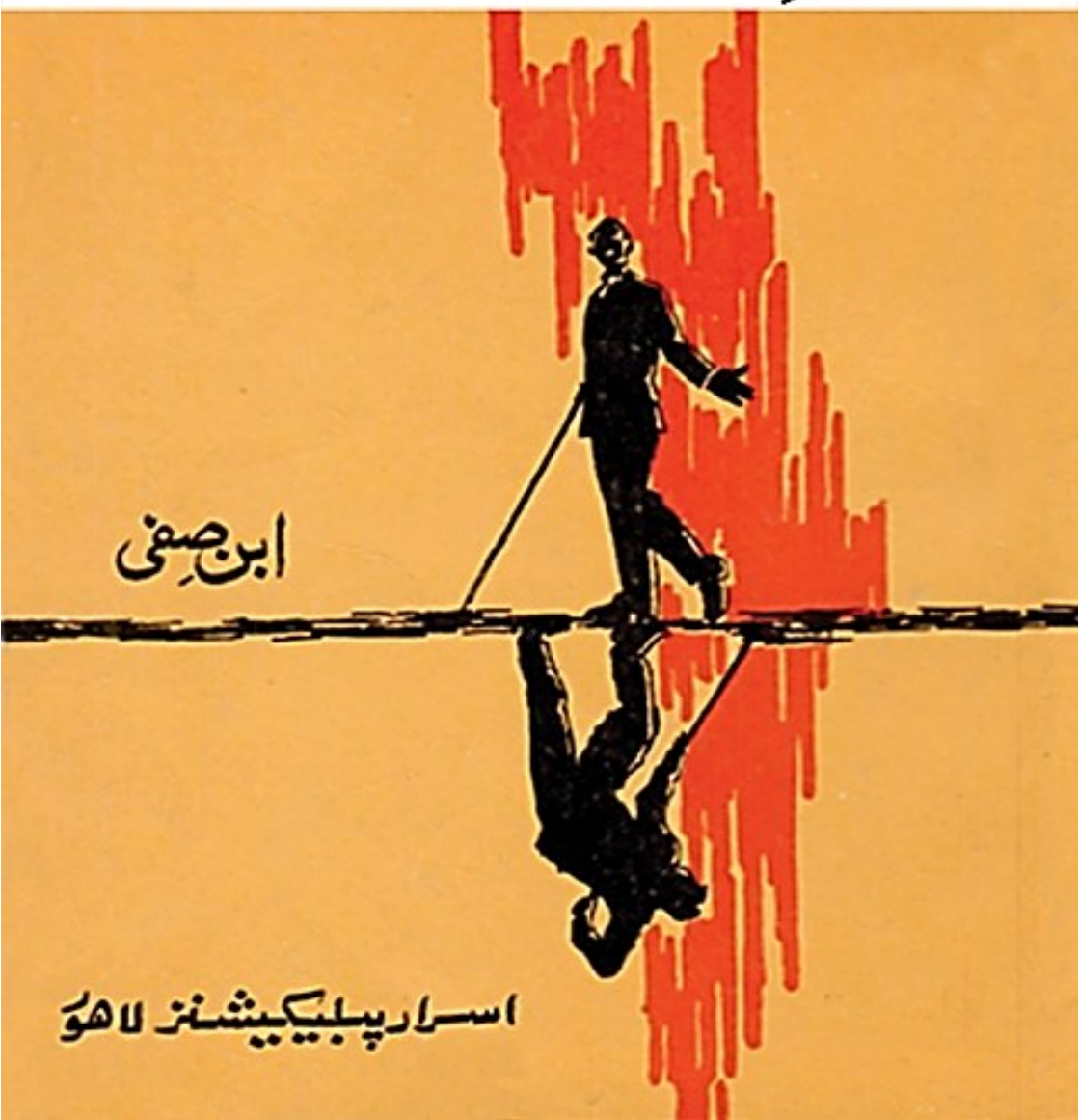
ہیرے کی کان

جاسوسی دنیا سیریز نمبر ۱۳

ابنِ صفی

۱۹۵۳

پریشان حال عورت

انور اپنے فلیٹ کے ایک کمرے میں بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا وہ ایک آرام کرسی میں دھنسا ہوا تھا۔ ایک پیر سامنے والی میز پر تھا اور دوسرا پھیلی ہوئی ٹانگ پر، ٹائی کی گرہ ڈھیلی ہو کر سینے پر جھول گئی تھی۔ فلِٹ ہیٹ پیشانی پر تھی اور بکھرے ہوئے بال بھنوؤں پر لہرا رہے تھے۔ اُس نے آج صُبح بھی شیو نہیں کیا تھا اس لیے سُرخ و سپید رُخساروں پر ہلکی ہلکی سبزی کُچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ اس کمرے میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ الماریوں میں کتابیں، میز پر کتابیں، کرسیوں پر کتابیں فرش پر کتابیں، آرام کرسیوں کے چوڑے ہتھوں پر کتابیں، دو ایک

کتابیں اُس کی گود میں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے میں کُچھ عجیب قسم کی بے ترتیبی تھی۔ فرش پر سگریٹوں کے بے شمار ٹکڑے اور جلی ہوئی دیا سلائیاں بکھری ہوئی تھیں۔ کتابوں کے درمیان الماریوں میں کہیں کہیں میلے اور پھٹے پرانے موزے گھُسے ہوئے دِکھائی دے رہے تھے۔ لکھنے کی میز پر سگریٹوں کی خالی ڈبیاں، ڈاڑھی بنانے کا سامان، کُچھ نئے اور پرانے رسالے، دو ایک چائے کی پیالیاں جن پر ہلکے سُرخ رنگ کے دھبّے تھے۔ ایک دو میلے کچیلے رومال اور نہ جانے کیا کیا اور الا بلا ڈھیر تھی۔ دیواروں پر دو ایک کیلنڈر تھے جن میں پچھلی تاریخیں اب تک لگی ہوئی تھیں۔ انور نے کتاب پڑھتے پڑھتے سر اُٹھایا اور فِلٹ ہیٹ پیشانی سے سِرک کر نیچے فرش پر آ رہی۔ اُس نے بُرا سا منہ بنایا اور کتاب پیچھے کی طرف اُچھال دی۔ پھر ایک نسوانی چیخ سُنائی دی۔ انور مڑا دروازے میں رشیدہ کھڑی بسور رہی تھی۔ کتاب اُس کے چہرے سے ٹکرا گئی اُس نے جھک کر کتاب اُٹھائی اور انور کو گھورنے لگی۔

انور نے اپنی گود میں پڑی ہوئی کتابوں میں سے ایک کتاب اٹھائی اور ورق گردانی

کرنے لگا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ پھر اُس نے وہ کتاب میز پر پٹخ دی اور رشیدہ کی طرف مڑا جو ابھی تک گھورے جا رہی تھی۔

"میں کہتا ہوں آخر اس قسم کی کتابیں چھاپنے سے فائدہ؟" وہ چند لمحے بے خیالی میں رشیدہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"اور میں کہتی ہوں آخر تمہاری زندگی سے فائدہ۔" رشیدہ مُنہ بنا کر بولی۔

"میں نے ابھی تک اِس پر غور نہیں کیا۔" انور نے آہستہ سے کہا اور کتاب پر نظریں جما دیں۔

رشیدہ نے زمین پر پڑا ہوا فلِٹ اُٹھا کر صاف کیا اور میز پر رکھ دیا پھر کُچھ دیر تک مُنہ بنائے ہوئے چاروں طرف دیکھتی رہی۔

"تم نے پھر کتابیں اِدھر اُدھر پھیلا دیں۔" رشیدہ تیز لہجے میں بولی۔

انور نے کتاب میز پر رکھ کر ایک طویل انگڑائی لی اور پیشانی پر بکھرے ہوئے بال ہٹا کر کھڑا ہو گیا۔

''تمھارے پاس کُچھ پیسے ہوں گے؟''اُس نے رشیدہ سے پوچھا۔

''کیوں۔۔۔؟''

''مُجھے ایک پیکٹ سگریٹ لا دو۔''

''میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ ہم لوگ دوپہر کا کھانا کہاں سے کھائیں گے؟''

''مُنہ سے۔''

''فضول باتیں نہیں کرو، ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ دوپہر کا کھانا کھایا جا سکے۔''رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔

''بس اتنی سی بات؟''انور مُسکرا کر بولا۔''اِس کی نہایت آسان تدبیر بتاتا ہوں۔ وہ پُرانے اخباروں کا ڈھیر ہے۔اِسے بیچ کر تم کم از کم دس روپے حاصل کر سکتی ہو۔''

''جہنّم میں گئے اخبارات۔۔۔!''رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔''تم اپنی تنخواہ ختم کر دیتے

ہو۔ میری تنخواہ کا زیادہ حصّہ بھی تم پر ہی صرف ہوتا ہے اور پھر بھی آخیر مہینے میں اس کی نوبت آجاتی ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" انور سنجیدگی اور نرمی سے بولا۔ رشیدہ ایک کرسی پر منہ پھیلائے ہوئے بیٹھ گئی۔ انور تھوڑی دیر تک اُس کی طرف دیکھتا رہا پھر اچانک بولا۔

"کون اُلّو کا پٹھّا تُم سے کہتا ہے کہ تُم اپنی تنخواہ مُجھ پر خرچ کر دیا کرو۔ آخر تم میری ہو کون؟ تُم میرے فلیٹ پر کیوں آئی ہو۔ میں جب بھی تم سے کوئی اُدھار لیتا ہوں ایمانداری سے واپس کر دیتا ہوں اگر تمہاری ایک پائی بھی مُجھ پر آتی ہو تو بتاؤ۔" انور خاموش ہو گیا اور اُس نے پھر ایک کتاب اٹھالی۔ وہ پھر آرام کرسی پر دھنستا ہوا کتاب میں ڈوب گیا تھا۔

رشیدہ کی بھنویں چڑھ گئیں، پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں، آنکھیں سُرخ ہو گئیں لیکن پھر چند ہی لمحوں میں اُس کے نتھنے پھڑکنے لگے اور وہ اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگی جیسے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک بیٹھی

بسورتی رہی پھر اُٹھ کر پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ انور بدستور مطالعے میں مشغول رہا۔ وہ ایک اخبار میں جرائم کا نامہ نگار تھا اور اسی اخبار میں مُستقل طور پر قسط وار جاسوسی ناولیں لکھا کرتا تھا۔ صحیح معنوں میں اِس اخبار کا سب کُچھ وہی تھا۔ اگر وہ ادارے سے الگ ہو جاتا تو دوسرے ہی دِن اخبار کی تعداد اشاعت آدھی سے بھی کم رہ جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ ایڈیٹر سے لے کر پروپرائٹر تک اُس کی مُٹھّی میں تھے۔ وہ ایک کامیاب جاسوس بھی تھا۔ شہر کا شاید ہی کوئی ایسا پولیس آفیسر رہا ہو جس کے دو چار راز اُسے نہ معلوم رہے ہوں۔ بس یہ سمجھنا چاہیے کہ اُن کی دُکھتی رگیں اُس کے ہاتھ میں تھیں۔ شاید ہی کوئی پولیس والا ایسا رہا ہو جو اس نوجوان بے باک اور نڈر کرائم رپورٹر سے جلتا نہ ہو۔ اُس نے بہتیرے معاملات میں پولیس کی رہنمائی بھی کی تھی اور خصوصاً انسپکٹر فریدی کی عدم موجودگی میں تو اُس کی بن آئی تھی۔ محکمہ سُراغ رسانی والے بھی اُس کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گئے تھے۔

وہ ایک لاپرواہ اور اکھڑّ نوجوان تھا۔ اُس نے اپنی زندگی ایک وکیل کی حیثیت سے

شروع کی تھی لیکن کُچھ دِنوں کے بعد سب کُچھ چھوڑ کر اس راستے پر آنکلا تھا۔ اُسے دراصل کارناموں سے پیار تھا۔ پچھلی زندگی قطعی ناخوشگوار گزری تھی اس لیے وہ ماضی کے دھندلکوں میں جھانکنے کی ہمّت نہیں کرتا تھا۔ اب تو وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اُس کے ماں باپ کون تھے اور کہاں تھے؟ تھے بھی یا نہیں۔ وہ دُنیا میں بالکل اکیلا تھا۔

رشیدہ اِسی اخبار کے دفتر میں ٹائپسٹ تھی۔ وہ نہ جانے کیوں انور کے اس قدر قریب آ گئی تھی۔ اُن دونوں کے فلیٹ بھی برابر ہی برابر واقع تھے۔ صرف درمیان میں ایک دیوار حائل تھی۔ رشیدہ بھی اسی کی طرح دُنیا میں تنہا تھی۔ اُس نے اپنے متعلّق اُسے کبھی کُچھ نہیں بتایا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ انور نے کبھی کُچھ پوچھا ہی نہیں۔ ان دونوں میں دو چیزیں مشترک تھیں۔ پہلی تو یہ کہ دونوں اس وسیع دُنیا میں تنہا تھے دوسری یہ کہ دونوں کارنامے پسند کرتے تھے۔ دونوں دلیر تھے۔ دونوں کو پرانے سماج سے نفرت تھی۔ متوسط طبقے کی صاف ستھری لیکن گھناؤنی زندگی ناپسند تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب

ہو گئے تھے۔ رشیدہ نے کئی کارناموں میں انور کا ساتھ دیا تھا۔ وہ دونوں اکثر آپس میں لڑ بھی جاتے تھے اور یہ لڑائی کُچھ اتنی تلخ ہوتی کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے کہ وہ اب ایک دوسرے سے زندگی بھر نہ بولیں گے۔ لیکن ان کا یہ عہد زیادہ دیر پا ثابت نہ ہوتا اور پھر ایک دوسرے سے بولنے پر مجبور ہو جاتے۔ نہ جانے کیوں؟ صرف ایک بات پر رشیدہ انور سے بہت زیادہ نالاں رہا کرتی تھی۔ وہ یہ کہ انور فضول خرچ تھا اور پھر جب مُفلس ہو جاتا تو کبھی گھڑی بیچی جاتی، کبھی انگوٹھی اور کبھی ردّی کاغذ، اُدھار لینے کا حاتم تھا لیکن پیسہ ملتے ہی سب سے پہلے پچھلا قرض بے باق کرنے کی فکر کرتا تھا۔ اخبار کی آمدنی کے علاوہ بھی اُسے پرائیویٹ کیسوں کے سِلسِلے میں کافی پیسے ملتے رہتے۔ شہر کے متمول لوگ جس معاملے کی تفتیش کسی وجہ سے پولیس کے سپرد نہیں کرنا چاہتے تھے اُس کے سپرد کر دیتے تھے اور کام ہو جانے پر اس کے لیے وہ اُسے معقول معاوضہ دیتے تھے۔ بہر حال اگر وہ چاہتا تو نہایت شان سے زندگی بسر کر سکتا تھا لیکن اپنے بے اصولے پن کی وجہ سے ہمیشہ مُفلس رہتا تھا۔ لاپرواہی اُس کے

کردار کا جزوِ لازم تھی۔ اس وقت بھی اُسے اس بات کا احساس نہیں تھا کہ ایک گھنٹے کے بعد اُسے دفتر جانا ہے۔

"تم سے ایک عورت ملنا چاہتی ہے۔" عورت نے دروازے میں آکر کہا۔

"لیکن میں کسی رشیدہ سے ملنا نہیں چاہتا۔" انور نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"لیکن وہ تمہیں جانتی ہے۔"

"مجھے بہیتری عورتیں جانتی ہیں۔"

"تو میں اُسے کیا کہہ دوں۔۔۔؟"

"کہہ دو کہ میں نہیں ملنا چاہتا۔" انور نے کہا۔

رشیدہ چلی گئی لیکن تھوڑی دیر بعد ایک جوان عورت کمرے میں داخل ہوئی۔ ظاہری حالت سے کوئی معقول عورت معلوم ہوتی تھی۔ وہ سفید سِلک کی ساڑھی

میں ملبوس تھی۔ جسم پر سمود کا لمبا کوٹ تھا اور گلے میں ہیروں کا بیش قیمت ہار، ہونٹوں پر نہایت شوخ قسم کی لِپ اسٹک کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں بلا کی جاذبیت تھی۔ وہ دروازے سے کُچھ دور آکر ٹھٹک گئی۔ انور بدستور مطالعے میں مشغول تھا۔ آہٹ سُن کر وہ کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔

"اب کیا ہے؟"

"اوہ۔۔۔اَں۔۔۔۔انور۔۔۔!" وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔ انور چونک کر مڑا۔

"اوہ تم ساجدہ۔ کیوں؟ کیسے زحمت گوارا فرمائی؟" انور طنزیہ انداز میں بولا۔ عورت نے لہجے کی تلخی محسوس کر لی لیکن کُچھ بولی نہیں۔ قبل اس کے کہ انور اُس سے بیٹھنے کے لیے کہتا وہ خود ہی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"شاید پانچ سال بعد ہم لوگ مل رہے ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"لیکن پانچ سال بعد ملنے کی وجہ؟" انور نے بے رُخی سے پوچھا۔

"انور میں اِس وقت مُصیبت زدہ ہوں۔" وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔

”اوہو۔۔۔کمال کر دیا۔ اتنے قیمتی ہار اور اتنے نادر کوٹ میں بھی تم خود کو مُصیبت زدہ سمجھتی ہو؟“

”انور۔۔۔!“عورت تیز لہجے میں بولی۔”میں تم سے سودا کرنے آئی ہوں۔“

”تو کرو نا۔۔!“

”عورت نے گھوم کر رشیدہ کی طرف دیکھا جو پرانے اخبارات اکٹھا کر رہی تھی۔

”تمہاری بیوی ہے؟“عورت نے انور سے پوچھا۔

”نہیں، بیوی سے زیادہ۔“

”یعنی۔۔۔؟“

”میری دوست ہے۔“انور اکتا کر بولا۔”تم اپنی بات کہو۔“

اس دوران میں رشیدہ اخبارات کا ڈھیر اکٹھا کر کے باہر جا چکی تھی۔

”میرا شوہر اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔“عورت بولی۔

”تو میں کیا کروں میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہوں۔“ انور نے کہا۔

”مُجھے پوری بات کہنے دو۔“ عورت گرج کر بولی۔ ”وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے اور تین دِن سے گھر سے غائب ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اُسے ڈھونڈو۔“

”اِس سِلسلے میں پولیس زیادہ بہتر ثابت ہو گئی۔“ انور نے کہا۔

”میں اسے مناسب نہیں سمجھتی۔“

”کیا اِس لیے کہ تمہارا شوہر دیوالیہ ہو چکا ہے؟“

”کیا مطلب۔۔۔؟“ عورت چونک کر بولی۔

”ہر سرمایہ دار قسم کا آدمی دیوالیہ ہونے سے کُچھ دِن پہلے اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے۔“

”کسی سے بدلہ لینے کا یہ اچھّا طریقہ ہے انور۔“ عورت ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

”کیسا بدلہ۔۔۔؟“ انور نے تحیّر آمیز لہجے میں پوچھا۔

”خیر میں انتہائی مجبوری کے عالم میں تمہارے پاس آئی ہوں۔۔۔ورنہ۔۔!“

”میں تمہارے دیدار کے لیے تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔“ انور نے جملہ پورا کر دیا۔

”بس حد ہو گئی۔“ عورت چیخ کر بولی اور اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”بسم اللہ۔“ انور بھی اٹھتا ہوا بولا۔

عورت کھڑی کھڑی تھوڑی دیر تک انور کو گھورتی رہی پھر اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

لیکن لمحہ بعد دوبارہ بیٹھ گئی۔ وہ سِسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

انور کھڑکی کے قریب جا کر باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مُڑا۔ عورت نے آنسو پونچھ ڈالے تھے اور رحم طلب نگاہوں سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”کیا پہلی بار اُس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔“ انور نے پوچھا۔

”نہیں پچھلے سال بھی ایک بار ایسا ہوا تھا۔“

”غائب ہو گیا تھا؟“

”نہیں اُس کے ایک دوست نے اُسے گھر تک پہنچایا تھا۔ وہ اچانک ایک ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔“

”کون دوست، اُس کا نام اور پتہ۔۔۔؟“ انور نے پوچھا۔

”یہ مُجھے یاد نہیں، بہر حال وہ اُس کا کوئی دوست ہی تھا۔“

”خیر۔۔۔!“ انور کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”یہ کیفیت کتنے دِنوں تک قائم رہی تھی؟“

”تین دِن۔۔۔!“

”اس کے بعد۔۔۔؟“

”وہ بالکل ٹھیک ہو گیا تھا۔“

”"اس دوران میں کیا ہوا۔ کیا اس کے غائب ہو جانے سے پہلے تم اُس کی ذہنی

کیفیت سے واقف تھیں؟"

"ہاں میں اُس کی نگہداشت کرتی تھی لیکن پرسوں رات کو جب میں سو رہی تھی وہ کسی طرف نکل گیا۔"

"کیا ادھر اُس کی مالی حالت کُچھ خراب ہو گئی تھی؟" انور نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ قطعی نہیں۔ آج سے پندرہ دِن قبل اُس نے مُجھے بتایا کہ اُسے کپڑا سینے کی مشینوں کی درآمد میں کافی فائدہ ہوا ہے۔"

"کیا تمہارے اور اُس کے تعلقات آج کل کُچھ ناخوشگوار ہو گئے ہیں؟"

"قطعی نہیں۔"

"اُس کے ملنے والوں میں کوئی ایسی عورت جس سے وہ بہت قریب ہو؟"

"کوئی نہیں۔" عورت جلدی سے بولی۔ "یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میں اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے رہا ہوں۔ اس لیے جو کُچھ مناسب سمجھوں گا

پوچھوں گا۔"

"میں زندگی بھر تمہاری احسان مند رہوں گی۔"

"لیکن تُم اس کی رپورٹ پولیس میں کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟" انور نے پوچھا۔

"مُجھے خوف ہے کہ اس خبر کے مشتہر ہونے پر کُچھ لوگ بے ایمانی پر کمر بستہ ہو جائیں گے۔" عورت بولی۔

"یعنی۔۔۔؟"

"اس کی تجارت کے ساجھی دار۔" عورت نے کہا۔

"مُجھے ایسے لوگوں کے پتے نوٹ کرادو۔" انور نے کہا۔

عورت نام اور پتے بولتی رہی۔ انور لکھتا رہا۔

"میں آج ہی سے کام شروع کر رہا ہوں۔ لیکن اخراجات۔۔۔؟"

عورت نے اپنا بیگ کھول کر نوٹوں کا ایک بنڈل نکالا اور اُسے میز پر ڈالتی ہوئی

بولی۔ ”یہ پانچ سو روپے ہیں۔ بقیہ پانچ سو کام ہو جانے پر دوں گی۔“

انور نے بنڈل اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔

”میں کل صُبح تم سے ملوں گا۔ آج کل کہاں رہتی ہو؟“

”۱۴۳ آسکر اسٹریٹ میں۔“

”فون نمبر۔۔۔؟“

”تین سو بیالیس۔۔۔!“

”اچھّا۔۔۔!“ انور اٹھتا ہوا بولا۔

عورت چلی گئی۔ انور پھر ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ آئی اور اُس نے اخبار کا بنڈل فرش پر پٹخ دیا۔

”کیوں کیا بات ہے؟“ انور مُسکرا کر بولا۔

”بات یہ ہے۔“ رشیدہ ہونٹ بھینچ کر بولی۔ ”کہ ردّی فروشوں کو ضرورت نہیں

اور میں اِس بنڈل کو بغل میں دبا کر شہر کا چکر نہیں لگا سکتی۔"

"تو اِس بنڈل کو سنبھالو۔" انور نے نوٹوں کا بنڈل اُس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔

"اوہ یہ کیا۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ۔۔۔!" رشیدہ رُک رُک کر بولی پھر تیز لہجے میں پوچھا۔ "وہ عورت کون تھی؟"

"ایک غرض مند۔۔۔!" انور مُسکرا کر بولا۔ "جو کام وہ مُجھ سے لینا چاہتی ہے یہ اُس کی آدھی اُجرت ہے۔"

"وہ تم سے بے تکلّف معلوم ہوتی تھی۔" رشیدہ نے مشکوک لہجے میں کہا۔

"ہاں آج سے پانچ سال پہلے میں اُس سے حماقت کرتا تھا۔" انور نے کہا۔

"اوہ۔۔۔یعنی۔۔۔یعنی محبّت کرتے تھے؟"

"ہاں۔۔۔!"

"اور اب۔۔۔!" رشیدہ کُچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "تو یہ وہی عورت ہے جس نے تمہیں اس حال کو پہنچا دیا ہے؟"

"لاحول ولا قوۃ۔" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اِس حال سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"یہی بے تُکی زندگی۔"

"لیکن میں اِسے بے تُکی نہیں سمجھتا اور شاید تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ایک کلاسیکل قسم کے ناکام عاشق جیسی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ لاحول ولا قوۃ اس کا تصوّر بھی میرے لیے توہین کا باعث ہے ایک عورت کے لیے۔۔۔ ہونہہ۔۔۔!"

رشیدہ کُچھ دیر خاموش کھڑی رہی پھر نوٹوں کا بنڈل انور کی طرف پھینک دیا۔

"میں تمہاری ہوتی کون ہوں۔" رشیدہ مُنہ بسور کر بولی۔

"ہاں یہ سچ ہے کہ تم میری کوئی نہیں ہو۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "لیکن اگر تم یہ نوٹ اپنے پاس نہیں رکھو گی تو میں تمہارا سر دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش کر دوں گا سمجھیں؟"

"لیکن وہ تم سے کیا کام لینا چاہتی ہے؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"اُس کا شوہر کھو گیا ہے۔"

"اس لیے اب وہ تم پر ڈورے ڈال رہی ہے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"پھر وہی فضول بکواس۔ جانتی ہو اُس کا شوہر کون ہے؟"

"نہیں۔۔۔!"

"شہر کا مشہور سرمایہ دار ارشاد علی۔"

"اوہ تو یہ ساجدہ تھی اور تم اُس سے محبّت کرتے تھے؟"

"ہاں یہ کوئی تعجّب کی بات نہیں۔ وہ میری کلاس فیلو تھی۔ پہلے اُس نے مُجھ سے حماقت شروع کی تھی لیکن بعد میں وہ ایک سرمایہ دار کو پھانسنے میں کامیاب ہو گئی اور میں ایل ایل بی کا ڈپلومہ لے کر جہالت کرنے لگا۔ لیکن وہ زیادہ دِنوں تک نہ چل سکی کیونکہ خود میرا ذہن بڑی حد تک مجرمانہ ہو چکا تھا۔"

"تمہیں افسوس تو بہت ہوا ہوتا۔۔۔؟" رشیدہ نے کہا۔

"کیوں افسوس کیوں ہوا۔۔۔؟" انور نے لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ تمہیں اُس سے محبّت نہیں تھی۔"

"تھی کیوں نہیں۔ جب تک وہ مُجھ سے ملتی رہی مُجھے اُس سے محبّت رہی اور جب یہ یقین ہو گیا کہ وہ میری نہ ہو سکے گی تو میں اُسے بالکل بھول گیا۔"

"تو اِس کا یہ مطلب کہ اگر میں بھی۔۔۔!" رشیدہ کُچھ کہتے کہتے رُک گئی۔

"ہاں ہاں جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو میں تمہیں بھی بھول جاؤں گا۔" انور نے کہا۔ "جاؤ جلدی سے ایک ڈبّہ اسٹیٹ ایکسپریس خرید لاؤ۔ میں نے دو گھنٹے سے سگریٹ نہیں پیا۔"

"ہشت۔۔۔!" انور منہ بنا کر بولا۔ "ذرا یہ بتاؤ ہم پر اُدھار کتنا ہے؟"

"سو روپے۔۔۔!" رشیدہ نے کہا۔

”اور تم کہتی ہو کہ میں اُس کے روپے واپس کر کے مُفت کام کر دوں۔“

”تم غَلَط سمجھے۔ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ تم یہ کیس نہ لو۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”اس طرح وہ پھر تمہارے قریب آجائے گی۔“

”آجانے دو۔۔۔!“

”میرا مطلب ہے کہ کہیں تمہاری محبّت پھر نہ جاگ اٹھے۔“

”مُمکن ہے۔“

”لیکن میں یہ نہیں چاہتی۔“ رشیدہ جھلّا کر بولی۔

”کیوں؟“

”میں نہیں جانتی۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”تمہیں یہ روپے واپس ہی کرنے ہوں گے۔“

”اور قرض۔۔۔؟“

”کسی نہ کسی طرح ادا کر دیں گے۔“

”تمہاری بہت ننھّی سی عقل ہے۔“ انور بولا۔ ”تم سمجھتی ہو کہ شاید میں پھر اُس سے محبّت کرنے لگوں گا۔“

رشیدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”جاؤ سگریٹ لاؤ۔ قرض ادا کر دو۔“ انور نے نوٹوں کا بنڈل اُس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔ ”اور اپنے لیے ایک سوٹ کا کپڑا ابھی خرید لینا۔ آج ہم کسی شاندار ہوٹل میں کھانا کھائیں گے۔“

”مُجھے نہیں چاہیے سوٹ۔ میں تمہاری ہوتی کون ہوں۔“ رشیدہ نے کہا اور نوٹوں کا بنڈل ہاتھ میں لیے ہوئے پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

انور نے وہ کاغذ جیب سے نکالا جس پر ساجدہ نے پتے لکھوائے تھے اور کُچھ دیر تک ناموں اور پتوں کو دیکھتا رہا پھر اُٹھ کر بال درست کیے۔ ٹائی کی گرہ ٹھیک کی،

اور کوٹ پہنا اور رشیدہ کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

چھان بین

انور نے موٹر سائیکل نکالی اور ارشاد علی کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا، راستے میں اُس نے دو ایک تھانوں سے اپنے اخبار کے لیے خبریں بھی مہیّا کیں اور انہیں ترتیب دے کر اخبار کے دفتر میں دیتا ہوا آگے بڑھا۔ دفتر کے عملے نے اُس کا نام ''طوفانی'' رکھ چھوڑا تھا۔ وہ جب بھی دفتر میں داخل ہوتا خاصی ہڑبونگ مچ جاتی اور چپراسی سے لے کر ایڈیٹر تک کو معلوم ہو جاتا کہ انور دفتر میں آ گیا ہے کبھی وہ پروف ریڈر سے اُلجھتا اور کبھی کمپوزیٹروں سے۔ حد یہ ہے کہ چیف ایڈیٹر بھی اُس کی نکتہ چینیوں سے نہیں بچتا تھا۔

ارشاد علی کے دفتر میں اُسے تھوڑی دیر تک اُس کے پارٹنر شاہد کا انتظار کرنا پڑا۔ تقریباًبارہ بجے وہ آیا۔ یہ بھی ارشاد ہی کی طرح خاصا دولت مند آدمی تھا۔

"میں ارشاد علی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔" انور نے اُس سے کہا۔

"کیوں۔۔۔؟" شاہد نے انور کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ایک ضروری کام ہے۔"

"ارشاد صاحب کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔" شاہد نے کہا۔

"لیکن مُجھے تو اطلاع ملی ہے وہ یہیں ہیں۔" انور نے کہا۔

"ممکن ہے۔" شاہد نے کہا اور اپنے کمرے سے باہر چلا گیا۔

انور بھی اُس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔ شاہد غصّے میں اُس کی طرف مُڑا لیکن قبل اس کے کہ وہ کُچھ کہتا انور نے کہا۔

"پچھلے سال جب ارشاد صاحب اپنی یادداشت کھو بیٹھے تھے تو آپ کہاں تھے؟"

شاہد چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"کیوں۔۔۔؟" شاہد کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ وہ اُسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

"اپنی معلومات کے لیے پوچھ رہا ہوں۔ جس میں پولیس خاصی دلچسپی لے گی۔"

"آپ ہیں کون۔۔۔؟" شاہد نے متعجّبانہ انداز میں پوچھا۔

"خدائی فوج دار۔۔۔!"

"اگر آپ قاعدے سے بات نہیں کریں گے تو میں آپ کو دھکے دے کر یہاں سے نکلوادوں گا۔" شاہد گرج کر بولا۔

"خیر۔۔۔!" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "میں آپ کو اس کی زحمت نہ دوں گا۔ ویسے اب پولیس آپ میں کافی دلچسپی لے گی، بارہ ٹن لوہے کی چور بازاری کے سِلسِلے میں۔"

انور جانے کے لیے مُڑا۔

”ٹھہریے۔“ شاہد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اُس کے چہرے پر سپیدی دوڑ گئی تھی۔ اُس نے انور کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

انور کرسی کی پشت پر ٹک کر آگے کی طرف جھک گیا۔ وہ شاہد کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ ”آپ کو ارشاد علی کے یادداشت کھو بیٹھنے کے متعلّق کیسے معلوم ہوا؟“ شاہد نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اس کا حال سوائے میرے اور اُس کی بیوی کے کسی اور کو معلوم نہیں تھا۔“

”تو آپ ہی نے انہیں ہوٹل سے اُن کے گھر تک پہنچایا تھا؟“ انور نے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔ مگر۔۔۔!“

”کیا اس دوران میں بھی اُن پر اس قسم کا کوئی دورہ پڑا تھا؟“ انور نے پوچھا۔

”مجُھے اس کا علم نہیں۔“

”آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ وہ آج کل باہر گئے ہوئے ہیں؟“

"اُس کی بیوی نے مُجھے اِطّلاع دی تھی۔"

"وہ خود کُچھ نہیں کہہ گئے؟"

"جی نہیں۔" شاہد نے کہا۔ "لیکن آپ ہیں کون؟"

"انور سعید۔ اسٹار کا کرائم رپورٹر۔"

"اوہ۔۔۔!" شاہد اُسے تنفّر آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"آپ اُن کے جگری دوستوں میں سے ہیں؟"

"ہاں۔ لیکن اب میرے پاس وقت نہیں ہے۔" شاہد نے بیزاری سے کہا۔

"وقت تو میرے پاس بھی نہیں۔ کیا ارشاد صاحب کا کسی عورت سے ناجائز تعلق بھی ہے؟"

"چپراسی۔۔۔؟" شاہد چیخا۔

"خیر خیر۔۔۔ شاید میں ابھی لوٹ کر آؤں۔" انور نے کہا اور کمرے سے نکل

آیا۔

تھوڑی دور چل کر وہ پھر لوٹا اور دروازے کی چق ہٹا کر کہنے لگا۔ ''لیکن میرے پاس اس کا مکمّل ثبوت ہے کہ آج کل آپ لوگ لوہے کی چور بازاری کر رہے ہیں۔''

چند لمحوں میں وہ سڑک پر اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں ایک گتھی تھی۔ آخر ساجدہ نے صاف صاف کیوں نہیں بتایا کہ پچھلے سال اُس کے شوہر پر جب یہ دورہ پڑا تھا تو اُسے گھر پہنچانے والا شاہد اُس کا سب سے بڑا ساجھی دار تھا اور دونوں آپس میں گہرے دوست بھی تھے لہٰذا ایسی صورت میں وہ ساجدہ کے لیے غیر معروف نہیں ہو سکتا۔ کیا وہ سچ مچ یہ بھول گئی تھی کہ اُس کے شوہر کو گھر تک کس نے پہنچایا تھا؟ یا پھر اُس نے قصداً شاہد کا نام نہیں لیا اور اگر ایسا ہی ہے تو اس کی وجہ؟

موٹر سائیکل ایک نائٹ کلب کے سامنے رُک گئی انور خود بھی کبھی اس کلب کا

ممبر رہ چکا تھا۔ باہر کھڑے ہوئے چپڑاسی نے اسے سلام کیا اور وہ سر کو ایک خفیف سی جنبش دیتا ہوا کلب کی عمارت میں داخل ہو گیا سامنے ہی منیجر کا کمرہ تھا۔ انور سیدھا وہیں چلا گیا ایک بڑی سی میز پر کہنیاں ٹیکے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اونگھ رہا تھا۔ قدموں کی آہٹ سن کر وہ چونکا۔

”فرمایئے۔۔۔!“ وہ اُٹھتا ہوا بولا۔ ”اوہو۔۔۔ انور صاحب دیکھیے میں نہ کہتا تھا کہ آپ اس کلب کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ صُبح کا گیا اگر شام کو آجائے تو اُسے بھولا نہ کہنا چاہیے وہ کیا کہا ہے مرزا غالب نے۔“

”مرزا غالب نے یہ کہا ہے کہ شراب کی ناجائز تجارت کرنے سے محبوب کے والدین ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔“ انور ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”ہو ہو ہو۔۔۔ مسٹر انور۔۔۔ میں آپ کی آواز سننے کے لیے ترس گیا تھا۔ بقول شاعر

تو نہیں سامنے اگر اے جاں

اپنی آواز ہی سنائے جا"

"میری آواز رسیلی ہے نا۔۔۔؟" انور نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں مسٹر انور۔۔۔ دیکھئے بھلا سا شعر ہے۔"

"شش۔۔۔ ارشاد علی یہاں کب سے نہیں آیا؟"

"مسٹر انور۔۔۔! منیجر بے رُخی سے بولا۔ "میں کسی ممبر کے متعلّق کُچھ نہیں بتا سکتا۔"

"پچھلی بار اُس کے ساتھ کون عورت تھی؟" انور نے منیجر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"عورت؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مسٹر انور۔ یہ صرف مردوں کا کلب ہے۔ یہاں کبھی عورت نہیں آئی۔"

"خیر خیر۔۔۔ یہ تو میں اچھّی طرح جانتا ہوں۔" انور نے کہا۔ "اور اسی وقت اس

عمارت سے نصف درجن عورتیں برآمد کر سکتا ہوں جن سے تم باقاعدہ پیشہ کراتے ہو۔"

"مسٹر انور آپ ایک شریف آدمی کی توہین کر رہے ہیں۔" منیجر چیخ کر بولا۔

"خیر میں اس کی صداقت کے لیے سرکاری جاسوس مسٹر آصف کو فون پر بلائے لیتا ہوں۔" انور نے اٹھ کر فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"تو اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟" منیجر نے فون پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹھئے آپ کے لیے چائے منگواؤں یا کافی؟ آپ کے غصّے پر تو بقول شاعر۔"

"جہنّم میں گیا شاعر۔ میں جو کُچھ پوچھتا ہوں اُس کا ٹھیک ٹھاک جواب دو۔"

"تو پوچھیے نا۔"

"ارشاد کے ساتھ کون عورت تھی؟"

"کوئی نہیں۔ آپ یقین کیجئے کہ وہ کبھی اپنی بیوی کو یہاں نہیں لائے۔" منیجر نے کہا۔

"یہاں کے پتے پر اُس کے خطوط بھی آئے ہیں؟" انور نے پوچھا۔

"اس کی اِطّلاع کلرک کو ہو گئی۔" منیجر نے کہا۔

"اُسے بُلواؤ۔"

منیجر نے گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر آیا اور منیجر نے اُسے کلرک کو بلانے کے لیے کہا۔ تھوڑی دیر بعد ایک دُبلا پتلا نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔

"سیٹھ ارشاد علی کے نام یہاں خطوط آتے ہیں۔" انور نے اُس سے پوچھا۔

کلرک منیجر کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ مسٹر انور۔۔۔!" منیجر بولا۔ "ممبروں کی ہر بات صیغہ راز میں رکھی جاتی ہے۔"

"میں جو کُچھ پوچھتا ہوں اس کا صحیح صحیح جواب دو۔" انور نے کلرک سے کہا۔
"ورنہ اپنے منیجر کے ساتھ ہی تم بھی مُصیبت میں پڑو گے۔"

کلرک نے پھر منیجر کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

"بتاؤ بھئی بتاؤ۔" منیجر نے تنگ آکر کہا۔ "آج تو بقول شاعر۔۔۔ہی۔۔۔!"

"جی ہاں اکثر اُن کے خطوط یہاں آتے ہیں۔" کلرک ہچکچاتا ہوا بولا۔

"کون بھیجتا ہے؟"

"پتہ نہیں۔ عموماً لفافے ہوتے ہیں لیکن یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ دولت گنج کے ڈاک خانے میں پوسٹ کئے جاتے ہیں۔"

"کیوں؟ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ دولت گنج سے پوسٹ کئے جاتے ہیں۔" انور نے کلرک کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میں اُن کے ہر لفافے کی مہر دیکھتا رہتا ہوں۔"

”تو تم ہر ایک کی ٹوہ میں لگے رہتے ہو؟“ انور نے کہا۔ ”غالباً ہر ممبر کی ڈاک کے متعلّق تمہیں اس قسم کی معلومات رہتی ہوں گی؟“

”جی نہیں۔“ کلرک گھبرا کر بولا۔ ”میں صرف ارشاد صاحب کے نام آنے والے لفافوں کے بارے میں جانتا ہوں۔“

”کیوں؟ خصوصیت سے انہیں کے بارے میں کیوں؟“

”وہ ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں رنگین اور خوشبودار اور طرز تحریر۔۔۔!“

”کسی عورت کا ہوتا ہے۔“ انور نے جملہ پورا کر دیا۔ ”اِسی لیے تُم اِن لفافوں کی طرف زیادہ دھیان دیتے ہو؟“

”جی ہاں۔۔۔!“ کلرک جلدی سے بولا۔ پھر منیجر کو اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھ کر سٹپٹا گیا اور کہا۔ ”جی نہیں۔“

”تم اپنا منہ اُدھر پھیر لو۔“ انور نے منیجر سے کہا۔ ورنہ مجبوراً مُجھے۔۔۔“ انور فون کی طرف دیکھ کر چُپ ہو گیا۔

"لا حول ولا قوۃ۔" منیجر اُٹھتا ہوا جھلّا کر بولا۔ "بقول شخصے۔۔۔" وہ زمین پر زور زور سے پیر مارتا کمرے سے چلا گیا۔۔

"بیٹھ جاؤ۔" انور نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ کلرک خاموشی سے بیٹھ گیا۔ وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"وہ یہاں سے کبھی کسی کو خطوط لکھتا بھی ہے۔" انور نے پوچھا۔

"مُجھے اس کا علم نہیں۔" کلرک نے کہا۔ "لیکن اکثر اُس نے دولت گنج ہی کے پتے پر یہاں سے کُچھ پارسل ضرور روانہ کئے ہیں۔"

"کسی عورت کے نام۔۔۔!" انور نے پوچھا۔

"نہیں مرد کے نام۔ سعید منزل۔ دولت گنج میں کوئی صاحب رضوان صدیقی ہیں۔" کلرک نے کہا۔

"سعید منزل تو بہت بڑی عمارت ہے۔ فلیٹ کا نمبر یاد نہیں۔" انور نے کہا۔

”جی نہیں۔“

”اچھّا۔۔۔“ انور اٹھتا ہوا بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس کی موٹر سائیکل دولت گنج والی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ بیس منٹ بعد وہ سعید منزل کا ایک ایک فلیٹ جھانکتا پھر رہا تھا۔ انور نے ایک بند دروازہ کو انگلی سے آہستہ آہستہ کھٹکھٹایا۔ ایک آدمی دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ شاید وہ کمرے کی صفائی کر رہا تھا۔

”رضوان صاحب ہیں؟“ انور نے پوچھا۔

”باہر گئے ہوئے ہیں۔“ اُس نے جواب دیا۔

”کب واپس آئیں گے۔“

”میں نہیں جانتا۔ بیگم صاحب سے پوچھئے۔“

”کہاں ہیں بیگم صاحب۔۔۔؟“

”اوپری منزل میں۔“ اس نے ایک زینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

انور کُچھ کہے بغیر زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔ یہاں بھی دروازہ اندر سے بند تھا۔ انور نے دروازے پر دستک دی۔

"اوہو۔۔۔ ٹھہرو۔۔۔ بھئی۔۔۔ ایک منٹ۔" اندر سے ایک سُریلی اور نسوانی آواز آئی۔

انور معنی خیز انداز میں منہ بنا کر اپنے دیدے پھرانے لگا۔

چند لمحوں کے بعد دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا۔ ایک خوبصورت لڑکی نیم عریاں لباس میں سامنے کھڑی تھی اور پھر اچانک چیخ مار کر وہ اندر بھاگ گئی۔ انور بدستور کھلے ہوئے دروازے کے سامنے کھڑا رہا۔ اُس نے اس جوان لڑکی کے چہرے میں بچپن اور سنجیدگی کی عجیب سی آمیزش دیکھی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ دوسرا قدم کس طرح اٹھائے۔ وہ لڑکی پھر دِکھائی دی۔ اس بار وہ ایک لمبے سے لبادے میں ملبوس تھی۔ سنہرے گھنگھریالے بال کاندھوں پر لہرا رہے تھے۔ اس وقت اُس کا چہرہ غصّے اور ندامت کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ "کیا ہے؟" وہ

دروازے میں آ کر بولی۔

”محترمہ۔۔۔مُجھے افسوس ہے لیکن شاید آپ کسی اور کا انتظار کر رہی تھی۔“ انور نے آہستہ سے کہا۔

”ہاں ہاں ہو سکتا ہے۔ آپ اپنا کام بتایئے؟“

”مُجھے رضوان صاحب سے ملنا ہے۔“

”وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔“

”کب آئیں گے؟“

”ایک ہفتے کے بعد۔“ لڑکی نے کہا۔

”اوہ تو شاید اسی لیے آپ اس وقت ارشاد کا انتظار کر رہی تھیں؟“ انور نے مُسکرا کر اُسے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

لڑکی سہم کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اُس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔

"آپ۔۔۔ آپ۔۔" وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"میں ارشاد کا چھوٹا بھائی ہوں۔" انور نے کہا۔

"اندر آجایئے۔ اندر آجایئے۔" وہ بے تابانہ انداز میں بولی۔ انور کمرے میں چلا گیا۔ لڑکی نے دروازہ بند کر دیا۔

"بیٹھ جایئے۔" اس نے جلدی سے کہا لیکن پھر چپ ہو گئی۔ شاید سوچ رہی تھی کہ اُسے اب کیا کہنا چاہیے انور اُسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ دفعتاً وہ رُک رُک کر بولی۔ "دیکھئے میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں۔ اپنے باپ سے کُچھ نہ کہیے گا۔ میں ارشاد کو بے حد چاہتی ہوں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔" وہ خاموش ہو گئی۔ اُس کی نگاہیں ملتجیانہ انداز میں انور کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے اُسکی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ تیز آواز میں بولی۔ "مگر ارشاد تو کہتا تھا اُس کا کوئی بھائی نہیں۔"

"تو اُس کا باپ ہی کہاں ہے۔" انور مُسکرا کر بولا۔

"باپ نہیں ہے؟" وہ تقریباً اُچھل کر بولی۔

"تو تُم رضوان کی بیوی نہیں ہو؟" انور نے بے ساختہ کہا۔

"نہیں۔۔۔ لیکن کیوں۔۔۔؟ ہاں۔۔۔" وہ رُک رُک کر بولی اور حیرت سے انور کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں سب کُچھ جانتا ہوں۔ ارشاد تم سے کبھی شادی نہیں کرے گا۔" انور نے کہا۔

"تم جھوٹے ہو۔ وہ مُجھ سے ضرور شادی کرے گا۔ صرف اُن ہیروں کا انتظار ہے جنہیں وہ ترشوانے کے لیے ایمسٹرڈیم بھیج چکا ہے۔"

"اچھّا۔۔۔!" انور شرارت آمیز انداز میں مُسکرا کر بولا۔ "بھلا اُس کے پاس بغیر ترشوائے ہوئے ہیرے آئے کہاں سے؟"

"تب تُم ضرور اُس کے بھائی ہو۔" لڑکی قہقہہ لگا کر بولی۔ "جب اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ دکن کی ایک۔۔۔!"

"اوہ۔۔۔اچھّا۔۔۔!" انور کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کیونکہ یہ اُس کے لیے ایک بالکل نئی اطلاع تھی۔

"ہی ہی ہی۔" وہ انور کے سامنے نچا کر ہنستی ہوئی بولی۔ "تم ضرور ارشاد کے کوئی بے تکلّف دوست ہو۔ خیر میں تمہیں چائے پلائے بغیر نہ جانے دوں گی۔ لیکن میرے متعلّق کسی سے کُچھ نہ کہنا۔"

"ارشاد یہاں کب سے نہیں آیا۔۔۔؟" انور نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں بتاتی۔ پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟" وہ بچگانے انداز میں ضد کا مظاہرہ کرتی ہوئی بولی۔

"ارشاد کا ایک بے تکلّف دوست۔۔۔!"

"دیکھو نا۔۔۔ کیسا پہچانا۔۔۔!" وہ قہقہہ لگا کر بولی پھر دفعتاً سنجیدہ ہو کر سوچنے لگی۔

"ارشاد کل آیا تھا۔۔۔؟" انور نے پوچھا۔

”نہیں وہ چار دِن سے نہیں آیا۔ میں آج صُبح سے اُس کا انتظار کر رہی ہوں۔ اُس نے کل آنے کا وعدہ کیا تھا۔ بہت مشغول رہتا ہے۔ اُف میں اُسے کتنا چاہتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک۔۔۔!“ انور مُسکرا کر بولا۔ ”لیکن تُم ہو کون۔ تمہارا نام کیا ہے؟“

”زبیدہ۔۔۔ میں ایک لڑکی ہوں۔“

”تمہارے ماں باپ کہاں ہیں۔“

لڑکی اُداس ہو گئی۔

”میرے ماں باپ بچپن ہی میں مر گئے تھے۔ رضوان اور ارشاد مُجھے میرے ظالم چچا کے پنجے سے رہائی دلوا کر یہاں لائے ہیں۔“

”تو اس کا یہ مطلب کہ وہ تمہیں بھگا لائے ہیں۔“ انور نے کہا۔

"میں اپنی خوشی سے آئی ہوں۔" وہ ترش روئی سے بولی۔

"تمہارا چچا کہاں رہتا ہے اور اُس کا کیا نام ہے؟"

"میں یہ ہرگز نہ بتاؤں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "تُم ایک زبردست دھوکے میں ہو۔"

"جاؤ جاؤ تم مُجھے بہکانے آئے ہو۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"بے وقوف لڑکی! ارشاد شادی شدہ ہے آج سے پانچ سال قبل اُس کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ تم سے ہرگز شادی نہ کرے گا۔ اُس نے شاید تمہیں یہ بھلاوہ دے رکھا ہے کہ وہ اپنے باپ کے خوف سے تم سے شادی نہیں کر رہا ہے۔ اُس کا باپ نہ جانے کب کا مر چکا ہے۔ اُس نے تمہیں یہاں رضوان کی بیوی کی حیثیت سے رکھ چھوڑا ہے تاکہ پڑوسیوں کو کوئی اعتراض نہ ہو اور وہ دُنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر عیاشی کرتا رہے۔ مُجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"تم شیطان ہو۔ مُجھے ورغلانے آئے ہو۔" لڑکی چیخ کر بولی۔

انور کوئی جواب دیئے بغیر جانے کے لیے مڑا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"شیطان۔" انور نے کہا اور باہر نکل گیا۔

واپسی میں اُسے رہ رہ کر ساجدہ پر تاؤ آ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس طرح ساجدہ اپنے شوہر کے چال چلن کی تصدیق کر رہی ہے۔ ذلیل کہیں کی۔ کاش رشیدہ نے وہ روپے ابھی خرچ نہ کیے ہوں۔ وہ انہیں ساجدہ کے منہ پر مار دے گا اور اُسے اپنی اس تفتیش کے متعلّق کُچھ نہ بتائے گا۔

قتل اور خودکشی

دو بج رہے تھے۔ انور نے رشیدہ کو آفس سے ساتھ لیا اور ایک ریستوران میں چلا گیا۔

"ہم زیادہ شاندار لنچ نہ کھائیں گے۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔" انور بولا۔ "اس ریستوران میں اسی لیے آیا ہوں کہ یہاں اُدھار مل جاتا ہے۔"

"اِس کی ضرورت نہیں۔" رشیدہ نے کہا۔ "میں نے کُچھ ایڈوانس لے لیا ہے۔

تمھیں ساجدہ کے روپے واپس کرنے پڑیں گے۔“

”میں نے بھی یہی طے کر لیا ہے۔“ انور نے کہا۔

”ارے یہ کیا۔ آج شاید تم نے پہلی بار میرا کہا مانا ہے۔“ رشیدہ نے حیرت سے کہا۔

”ساجدہ نے مُجھے احمق بنانے کی کوشش کی تھی۔“ انور بولا۔ ”اُسے شاید اپنے شوہر کے چال چلن پر شُبہ ہو گیا تھا۔ اس کی تصدیق کے لیے اُس نے یہ طریقہ نکالا۔“

اس کے بعد انور نے پوری داستان دہرا دی۔

”میں پہلے ہی سے مشکوک تھی۔“

”شُبہ تو مُجھے بھی ہوا تھا۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن میں ساجدہ کو اس کے متعلّق ایک لفظ بھی نہ بتاؤں گا۔ آج کی دوڑ دھوپ مُجھے کُچھ مہنگی نہیں پڑی۔ اب میں ارشاد سے کافی رقم اینٹھ سکوں گا۔ اُس نے غریبوں کا گلا کاٹ کر جو دولت اکٹھا کی ہے

اُس میں اِس غریب کا بھی کُچھ حصّہ ہونا چاہیئے اور ہاں بھئی ٹیلی فون کا لائسنس بھی تجدید کرانا ہے اور وہ دو سو روپے کے تمہارے لیے ایک اچھّا سا سوٹ اور بھی بہت کُچھ۔"

"تو تم اُسے بلیک میل کرو گے؟"

"قطعی۔۔۔!"

"اور وہ بے چاری لڑکی۔۔۔؟"

"جب میں ارشاد سے مطلوبہ رقم وصول کر لوں گا تو رضوان کو اُس سے شادی کرنی پڑے گی۔"

بھلا وہ کیوں کرنے لگا۔"

"نہیں کرے گا تو پھر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی۔" انور نے کہا اور بیرے کو بلا کر لنچ کا آرڈر دیا۔

رشیدہ کُچھ کہنے ہی جارہی تھی کہ ایک معمّر اور وجیہہ آدمی ریستوران میں داخل ہوا۔

"اوہ تم یہاں ہو۔ میں تمہارے آفس گیا تھا۔" اُس نے انور سے کہا۔

"لیکن انسپکٹر آصف میں تمہیں لنچ کے لیے مدعو نہ کروں گا کیونکہ فنڈ کم ہے۔" انور نے کہا۔

"جہنّم میں گیا لنچ۔۔۔" انسپکٹر آصف جھنجھلا کر بولا۔ "تم نے پھر ہاتھ پیر نکالنے شروع کر دیئے ہیں۔"

"تُم بُوڑھے ہونے کو آئے مگر بات کرنے کا طریقہ نہ آیا۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔ "خیر بیٹھو میں تمہیں ایک کپ چائے پلا سکتا ہوں۔"

"ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر نے تمہاری شکایت کی ہے۔ تم وہاں کیا کرنے گئے تھے؟" آصف نے پوچھا۔

"انڈے سپلائی کرنے۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔ "منیجر بھی عجیب احمق ہے اگر

دو چار انڈے گندے نکل گئے تو بھلا محکمہ سُراغ رسانی والوں سے شکایت کرنے کی کیا ضرورت تھی، خیر میں اُسے سمجھوں گا۔ معلوم ہوتا ہے اُس نے مُرغیاں وہاں سے ہٹا دی ہیں۔ ورنہ وہ تمہیں کبھی تکلیف نہ دیتا۔"

"دیکھو یہ میری آخری وارننگ ہے۔" آصف نے ترش روئی سے کہا۔

"دوسری آخری وارننگ کب دے رہے ہو؟" انور نے سنجیدگی سے پوچھا اور رشیدہ کو بے اختیار ہنسی آگئی۔

"آصف جھلّا گیا۔ وہ تیز نظروں سے انور کو گھور رہا تھا اور انور رشیدہ کی طرف دیکھ کر مُسکرا رہا تھا جو دوسری طرف مُنہ پھیر کر ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"جانتے ہو کسی کو دھمکی دینے پر کون سی فردِ جُرم عائد ہوتی ہے؟" آصف نے کہا۔

"ہاں ہاں اگر دھمکی کسی جوان لڑکی کو دی جاتی ہے تو اُس کے والدین اُس کی

شادی کا بندوبست کر دیتے ہیں فرض کرو لڑکی قطب شمالی میں ہے اور لڑکا قطب جنوبی میں اور تم خطِ استوا پر کھڑے ہو کر دونوں کو دھمکی دو تو حکومت تمہارا بندوبست کر کے تمہیں آگرہ یا بریلی پہنچوا دے گی۔"

"خیر دیکھوں گا۔" آصف غصّے میں جانے کے لیے مڑا۔

"دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں وعلیکم السّلام۔" انور نے کہا اور میز پر لگے ہوئے کھانے کی طرف متوجّہ ہو گیا۔

"واقعی تم سے بُری طرح جل گیا ہے۔" رشیدہ آصف کے چلے جانے کے بعد بولی۔ "اگر موقع مل گیا تو پھانسنے سے باز نہ آئے گا۔"

"اس کے لیے کم از کم اُسے ایک درجن اندوہ ناک حادثات کی اطلاعیں سُننی پڑیں گی۔" انور نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد وہ پھر آفس چلے گئے۔ انور وہاں کل کے شمارے کے لیے جاسوسی ناول کی قسط لکھتا رہا۔ تقریباً پانچ بجے وہ واپس گھر آ گئے۔ انور نے پھر

کتابیں الٹنی پلٹنی شروع کر دیں۔

"میں کہتی ہوں تمہارا دماغ خراب ہو جائے گا ہر وقت کتابیں۔" رشیدہ جھلّا کر بولی۔

"تو وہ خراب کب نہیں ہے۔" انور نے کہا۔ "مگر تم نہ جانے اس وقت اتنی حسین کیوں لگ رہی ہو۔"

"سگریٹ ختم ہوگئے ہوں گے؟" رشیدہ مُنہ چڑھا کر بولی۔ "میں تمہیں اُسی وقت حسین لگتی ہوں جب تمہاری جیب میں پیسے نہیں ہوتے۔"

"کیا کہا۔ میری جیب میں پیسے نہیں؟" انور چونک کر بولا۔ "میں نے ساجدہ کو روپے واپس کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔"

"وہ تو تمہیں واپس ہی کرنے ہوں گے۔" رشیدہ تیز لہجے میں بولی۔

"پھر تم نے مُجھ پر حکومت جتانی شروع کر دی۔" انور اٹھتا ہوا بولا اور رشیدہ کا کان پکڑ کر اُسے کمرے میں سے باہر نکال دیا۔ "میں اب تمہارے کمرے میں تھوکنے

بھی نہ آؤں گی۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"اچھّی بات ہے مت آنا۔ کمرے میں تھوکنے سے گندگی پھیلتی ہے۔" انور نے سنجیدگی سے کہا اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ آرام کرسی میں دھنس کر ایک کتاب میں ڈوب گیا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، انور نے بیٹھے ہی بیٹھے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ہیلو۔۔۔ کون ساجدہ۔۔۔ میں تمہیں فون کرنے والا تھا۔۔۔ کیا؟" انور یک بیک سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "خودکشی۔۔۔ کس نے۔۔۔ ارشاد نے۔۔۔ کہاں۔۔۔ اسے اچھّا۔۔۔ اچھّا میں تیّار ہوں۔۔۔ بہت اچھّا۔۔۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" انور نے ریسیور رکھ دیا اور اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد وہ تیزی سے رشیدہ کے فلیٹ میں داخل ہوا۔

"کیوں؟ کیا بات؟" رشیدہ نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"تمہارے کمرے میں تھوکنے آیا ہوں۔" انور نے کہتے ہوئے فرش پر تھوک

دیا۔

"ابھی ابھی میں نے کمرے کی صفائی کی تھی۔" رشیدہ بگڑ کر بولی۔

"کوئی بات نہیں۔" انور جلدی سے بولا۔ "سنو ایک کام تمہیں فوراً کرنا ہے۔"

"دوڑ کر تمہارے لیے سگریٹ لیتی آؤں۔۔۔ یہی نا۔۔۔ میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

"سنو تو سہی۔" انور نے کہا۔ "تمہیں اُس لڑکی زبیدہ کو سعید منزل سے ہٹانا ہے۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"ابھی ابھی ساجدہ نے فون پر مُجھے مطلع کیا ہے کہ ارشاد نے تار جام کے علاقے میں خودکشی کر لی ہے۔ وہاں کے کوتوالی انچارج نے تار کے ذریعے مطلع کیا ہے اور لاش کی شناخت کے لیے اُسے بلایا ہے۔ ساجدہ مُجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔ وہ آ ہی رہی ہو گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ابھی جا کر زبیدہ کو سعید منزل سے

ہٹادو۔"

"ہٹا کر کہاں لے جاؤں گی؟"

"اُفّوہ اتنی ذہین ہو کر تم مُجھ سے یہ سوال کر رہی ہو۔ کسی گُم نام سے ہوٹل میں ٹھہرا دینا اور تاکید کر دینا کہ تمہاری اجازت کے بغیر ہوٹل سے باہر نہ نکلے۔"

"لیکن تم اُسے وہاں سے ہٹا کیوں رہے ہو؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"پھر بتاؤں گا۔ جلدی کرو۔ سعید منزل دوسری منزل، بیگم رضوان۔ اُسے سمجھا دینا کہ وہ خطرے میں ہے۔ ارشاد کی خودکُشی کے متعلّق بتا دینا کہ اُس کا وہاں سے ہٹ جانا ہی بہتر ہے۔ ورنہ خواہ مخواہ پولیس اُسے پریشان کرے گی۔ اچھّا اب جاؤ۔ موٹر سائیکل لے لو۔"

"اور تم ساجدہ کے ساتھ تارجام جاؤ گے؟"

"ہاں بھئی!" انور نے کہا۔ "اب کیس ذرا دلچسپ ہو گیا ہے۔ اس لیے ٹالنے کو دِل نہیں چاہتا۔"

”میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔“

”نہیں جو میں کہہ رہاہوں تم وہی کرو گی۔“ انور تیز لہجے میں بولا۔ رشیدہ بڑبڑاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ انور اپنے فلیٹ میں لوٹ آیا۔ تھوڑی دیر بعد سڑک پر ہارن کی آواز سُنائی دی۔ انور نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا نیچے ساجدہ اپنی کار کی کھڑکی سے سر نکالے اوپر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انور نے اوور کوٹ اٹھا کر کاندھے پر ڈالا فِلٹ ہیٹ سر پر رکھی اور ٹائی کی گرہ ٹھیک کیے بغیر نیچے اُتر گیا۔

”آگے ہی آجاؤ۔“ ساجدہ نے مضمحل آواز میں کہا۔ ”میری حالت ایسی نہیں کہ خود کار ڈرائیو کرسکوں۔“

انور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اُس نے ایک اُچٹتی ہوئی نظر ساجدہ کے چہرے پر ڈال کر کار اسٹارٹ کر دی۔ ساجدہ کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں اور پلکیں سوج آئی تھیں لیکن اُس کے ماتھے کی پُر تمکنت سلوٹیں اس حال میں بھی قائم تھیں۔

تارجام شہر سے ساٹھ میل دوری پر ایک صنعتی علاقہ تھا۔ یہاں لوہے اور کانچ کے کئی کارخانے تھے۔ کوئلہ کی دو ایک چھوٹی موٹی کانیں بھی تھیں۔ انور نے تقریباً دس بارہ میل کا فاصلہ خاموشی سے طے کیا۔ ساجدہ بھی کُچھ نہ بولی۔ دفعتاً انور بولا۔

"تارجام میں ارشاد کی موجودگی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

"یہی چیز میری سمجھ میں نہیں آرہی۔" ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تارجام سے اُن کا کوئی تجارتی تعلّق بھی نہیں تھا۔"

"رضوان صدیقی کو جانتی ہو؟" انور نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ کیوں؟" ساجدہ چونک کر بولی۔

"یونہی پوچھ رہا ہوں۔"

"وہ ارشاد کا جگری دوست ہے۔"

”اُس کے بیوی بچّے کہاں ہیں؟“

”ابھی اُس کی شادی نہیں ہوئی۔“

”کہاں رہتا ہے؟“

”دولت گنج میں۔۔۔!“

”تُم کبھی اُس کے یہاں گئی ہو؟“

”نہیں کبھی جانے کا اتّفاق نہیں ہوا۔ وہ اکثر ہمارے گھر آتا رہتا ہے۔“

”کیا وہ بھی ارشاد کا ساجھی دار تھا؟“

”نہیں۔۔۔ اُس کا کاروبار الگ ہے۔“

”میں ایک بار پھر اپنا سوال دہراؤں گا۔“ انور نے کہا۔ ”اس دوران میں ارشاد کی مالی حالت کیسی تھی؟“

ساجدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے ایک بار انور کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا۔

ماتھے کی سلوٹیں چہرے پر پھیلی ہوئی غم آلود نرماہٹ کی لہروں میں بہہ گئیں۔

"اب چھپانے سے کیا فائدہ۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "ارشاد قریب قریب دیوالیہ ہو چکا تھا۔"

"اور اسی لیے وہ اپنی یادداشت بھی کھو بیٹھا تھا۔" انور طنزیہ انداز میں بولا۔

"انور۔۔۔!" ساجدہ نے پُر احتجاج لہجے میں کہا اور کھڑکی کے باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں نظریں گاڑ دیں۔ "اِس خُودکُشی کے متعلّق تمہارا کیا خیال ہے؟" انور نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"خیال۔۔۔!" ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "اِس کے علاوہ اب اور کوئی خیال میرے ذہن میں نہیں کہ ارشاد مُجھ سے ہمیشہ کے لیے چھوٹ گیا۔"

"خیر یہ خیال تمہارے لیے کوئی نیا نہیں۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"انور تم ظالم ہو۔" ساجدہ بے ساختہ چیخی۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا اور اُس کے چہرے پر کسی قسم کی کوئی تبدیلی بھی نہ پیدا ہوئی۔

"کیا کسی ہیرے کی کان میں بھی اُس کا کوئی حصّہ تھا؟" تھوڑی دیر بعد انور نے پوچھا۔

"ہیرے کی کان؟" ساجدہ چونک کر بولی۔ "نہیں تو۔ مُجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں۔"

"تمہیں پورا یقین ہے کہ اُس کا تعلق کسی دوسری عورت سے نہیں تھا؟"

"آخر ان سب فضول باتوں سے کیا فائدہ؟" ساجدہ جھلّا کر بولی۔ "ایک مرے ہوئے آدمی پر کیچڑ اُچھال کر تمہیں کیا مل جائے گا؟"

"میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"نہیں ارشاد ایسا آدمی نہیں تھا۔"

انور کُچھ کہنا ہی چاہتا تھا مگر رُک گیا۔ ساجدہ نے گھڑی دیکھی آٹھ بج رہے تھے۔ دور اندھیرے میں تار جام کی روشنیاں دِکھائی دے رہی تھیں۔ انور نے کار کی رفتار اور تیز کر دی۔

اور پھر اُن کی کار تار جام کی کوتوالی کے سامنے رُک گئی۔ انور اور ساجدہ اُتر کر اندر آ گئے۔

کوتوالی انچارج موجود نہیں تھا۔ ایک سب انسپکٹر نے انہیں بتایا کہ کوتوالی انچارج ابھی تک جائے واردات سے واپس نہیں آیا۔ لاش وہیں ہے۔

"میں آپ لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔" سب انسپکٹر اُٹھتا ہوا بولا۔ "مُجھے ہدایت کر دی گئی تھی جب آپ لوگ پہنچیں آپ کو جائے واردات پر پہنچا دیا جائے۔"

"کتنی دور چلنا ہو گا۔" انور نے پوچھا۔

"تقریباً چار میل، دیپ نگر میں، یہ حادثہ وہیں ہیرے کی کان میں ہوا ہے۔" سب انسپکٹر بولا۔

”ہیرے کی کان میں؟“ انور چونک کر بولا۔ ”لیکن اس طرف تو کوئی ہیرے کی کان نہیں تھی۔“

”کُچھ ماہ قبل یہاں کھدائی کا کام شروع ہوا ہے۔“ سب انسپکٹر نے کہا۔ ”ارشاد صاحب اور اُن کے ساتھیوں نے ٹھیکہ لیا تھا۔“

انور نے ساجدہ کی طرف گھور کر دیکھا۔ خود ساجدہ بھی حیرت زدہ نظر آ رہی تھی لیکن وہ کُچھ بولی نہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ کار میں بیٹھ کر دیپ نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔ انور کا ذہن ہیرے کی کان میں اُلجھا ہوا تھا۔ ارشاد نے زبیدہ سے تو ہیرے کی کان کا تذکرہ کیا تھا لیکن ساجدہ کو اس کے متعلّق کیوں نہیں بتایا۔ دوسری چیز اس سے بھی زیادہ اُلجھن پیدا کرنے والی تھی۔ وہ یہ کسی ایسے علاقے میں اچانک ہیرے کی کان کی دریافت جس کے متعلّق کبھی اُس کا خیال بھی نہ پیدا ہو سکے۔ اب تک تاریکی میں کیوں پڑی رہی۔ اس کی تو خاصی شہرت ہونی چاہیے تھی۔

راستہ خراب ہونے کی وجہ سے وہ دیپ نگر تقریباً آدھے گھنٹے میں پہنچے۔ یہاں دو چار چھوٹے چھوٹے بنگلے بنے ہوئے تھے جو تقریباً تاریک تھے۔ صرف ایک بنگلے کی کھڑکیوں میں روشنی دِکھائی دے رہی تھی۔ سب انسپکٹر نے اُسی بنگلے کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ غالباً آپ بیگم ارشاد ہیں۔" کوتوالی انچارج انہیں آتا دیکھ کر بولا۔

"جی ہاں۔۔۔!" ساجدہ غم آلود انداز میں بولی۔

"واقعی یہ ایک افسوس ناک حادثہ ہے۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔ "چار بجے مُجھے اِطّلاع ملی کہ ارشاد صاحب نے خُودکُشی کرلی ہے۔" وہ پھر انور کی طرف مُڑکر بولا۔

"آپ کی تعریف۔۔۔؟"

"انور سعید، روزنامہ اسٹار کا کرائم رپورٹر۔۔۔!" انور نے کہا۔

"اوہ۔۔۔!"

"میں انہیں اپنے ساتھ لائی ہوں۔" ساجدہ نے کہا۔

"دھارا سنگھ کا بیان ہے کہ ارشاد صاحب تین بجے اپنے ہاتھ میں ایک دو نالی بندوق لیے بنگلے کے سامنے بیٹھے تھے۔ دھارا سنگھ سمجھا کہ وہ شاید شکار کھیلنے جا رہے ہیں۔ پھر ساڑھے تین بجے اُس نے دو فائروں کی آوازیں سُنیں اور بھاگ کر اُس بنگلے میں آیا اور پھر پچھلے کمرے میں اُس نے ارشاد صاحب کی لاش دیکھی۔ انہوں نے کھڑے ہو کر اپنے چہرے پر دو فائر کیے تھے۔"

"بھلا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ انہوں نے کھڑے ہو کر فائر کیے تھے؟" انور نے پوچھا۔

"انور صاحب میں نے آپ کی تعریف سُنی ہے۔" کوتوالی انچارج طنزیہ لہجے میں بولا۔ "چلیے میں آپ کو سمجھاؤں۔"

وہ عقبی کمرے کی طرف مُڑا۔۔۔ انور اور ساجدہ اُس کے ساتھ ہو گئے۔

لاش ایک چادر سے ڈھکی ہوئی چارپائی پر پڑی تھی۔ کوتوالی انچارج نے مُنہ پر سے

چادر سِر کائی اور ساجدہ ایک ہولناک چیخ کے ساتھ انور کے بازوؤں میں آ رہی۔ چہرے پر چھرّے لگنے کی وجہ سے گوشت کے پرنچے اُڑ گئے تھے۔ ساجدہ بے ہوش ہو گئی لیکن یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ اُس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں اور اس طرح پھٹ کر رہ گئیں جیسے اپنے حلقوں میں جم گئی ہوں۔ کوتوالی انچارج نے پوری لاش پر سے چادر ہٹادی اور سوالیہ نگاہوں سے ساجدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"ارشاد تُم نے یہ کیا کیا۔" ساجدہ پھوٹ پڑی۔ انور اُسے سہارا دیتا ہوا کمرے سے باہر لے آیا اور تھوڑی دیر بعد ساجدہ کو روتا چھوڑ کر لاش والے کمرے میں لوٹ گیا۔

"انور صاحب۔" کوتوالی انچارج بولا۔ "ارشاد نے کھڑے ہو کر اپنے اوپر فائر کئے ہیں۔ یہ دیکھیے اُن کا ایک جوتا اور موزہ اُترا پڑا ہے۔ انہوں نے بندوق کی لبلبی میں انگوٹھا پھنسا کر اپنے اوپر فائر کیے۔"

"یہ تو بالکل صاف ہے۔" انور نے کہا۔ "لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ فائر کھڑے ہو کر کیے گئے؟"

"اوہو۔۔۔اِدھر آیئے۔ یہاں دیوار میں دیکھیے، کُچھ چھرّے یہاں دیوار میں گھُس گئے ہیں۔ اس جگہ کی اونچائی فرش سے تقریباً چھ سات فٹ ہے اگر انہوں نے بیٹھ کر بندوق چلائی ہوتی تو نالی کا زاویہ اتنی اونچائی تک چھرّے نہ پھینک سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔" انور نے کہا اور جھُک کر فرش پر کُچھ دیکھنے لگا اور پھر ایک گہرا سانس لے کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ وہ پُر معنی انداز میں کوتوالی انچارج کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"بہر حال خُود کُشی ثابت ہے۔" کوتوالی انچارج خود اعتمادی کے لہجے میں بولا۔

"قطعی ثابت ہے۔" انور نے مُسکرا کر کہا۔ "ارشاد نے ایک بار لیٹ کر خُود کُشی کی اور ایک بار کھڑے ہو کر۔"

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”یہاں آیئے۔۔۔کیا آپ نے فرش نہیں دیکھا۔ دیکھیے یہاں بھی کُچھ چھرّے گھُسے ہوئے ہیں اور بارود کے دھوئیں کا ہلکا سا دھبّہ بھی ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فائر ہونے کی حالت میں بندوق کے دہانے کا فاصلہ زمین سے صرف ایک یا دو بالشت رہا ہو گا۔“

”اوہ۔۔۔!“ کوتوالی انچارج سٹپٹایا۔

”لیکن یہ بتانا دشوار ہے۔“ انور مخصوص طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”کہ پہلے اُس نے کھڑے ہو کر خُودکُشی کی یا لیٹ کر۔“

”تو پھر اِسے کیا سمجھا جائے؟“ کوتوالی انچارج بڑبڑایا۔

”قتل صریح قتل۔۔۔!“ انور بولا۔ ”ممکن ہے وہ بھری ہوئی بندوق پر ٹھوڑی ٹیکے کھڑا کسی خیال میں مستغرق رہا ہو اور کسی نے لبلبی دبا دی اور اُس کے گِر جانے پر دوسرا فائر کر دیا ہو لیکن یہ کام کسی ایسے ہی شخص کا ہو سکتا ہے جس کے

متعلّق خود ارشاد بھی یہ شُبہ نہ کر سکتا رہا ہو کہ وہ کبھی اس پر قاتلانہ حملہ بھی کر سکتا ہے۔ یہ دھارا سنگھ کون ہے جس نے خُود کُشی کی اِطّلاع آپ تک پہنچائی؟"

"دھارا سنگھ ہیرے کی کان کا ایک ساجھی دار ہے۔"

"وہ ہے کہاں؟"

"اپنے بنگلے میں۔۔۔ اِس حادثے کی وجہ سے اُس کی حالت ٹھیک نہیں۔ بظاہر اچھّے ہاتھ پیر کا ہے مگر ہے کمزور دل آدمی۔"

"ذرا اُسے بُلوائیے؟" انور نے کہا۔

ایک مشتبہ آدمی

" یہ تو معاملہ ہی اُلٹ گیا۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"گھبرائیے نہیں میں قتل والی دریافت آپ ہی کے سر تھوپوں گا۔" انور نے کہا۔

"یعنی۔۔۔؟"

"اپنے اخبار میں آپ کے کارنامے بڑھا چڑھا کر لکھوں گا۔"

"ارے نہیں صاحب سچّائی عزیز ہے۔" کوتوالی انچارج خاکسارانہ انداز میں بولا۔

"گھبرائیے نہیں۔۔۔ جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"کوتوالی انچارج باہر چلا گیا۔ انور ساجدہ کے پاس چلا آیا۔

"یہ خودکشی نہیں بلکہ کھلا ہوا قتل ہے۔" انور نے کہا۔

ساجدہ اُچھل پڑی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انور نے اسے مختصر الفاظ میں سب کُچھ بتا دیا۔ ساجدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری نظر آرہا تھا۔ سپاٹ اور بے جان۔۔۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کُچھ سوچ ہی نہیں رہی ہے۔

اُس کے ذہن میں ایک خلاء ہے۔ جس میں تاریکیوں کے علاوہ کُچھ نہیں۔ تھوڑی دیر بعد کوتوالی انچارج واپس آگیا۔ اُس کے ساتھ ایک فربہ اندام اور معمّر آدمی تھا۔

اُس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی لیکن اس زردی کی تہہ کے نیچے سے بھی طبیعت کی سخت گیری پھوٹی پڑ رہی تھی۔

”فائر کی دوسری آواز کتنے وقفے کے بعد ہوئی تھی؟“ انور نے اُس سے پوچھا۔

دھاراسنگھ نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور تھوک نگل کر رہ گیا۔

”میں آپ ہی سے پوچھ رہاہوں۔“ انور نے دوبارہ کہا۔

”جی اس کا تو مُجھے دھیان نہیں۔“ دھاراسنگھ بولا۔

”دوسرے فائر کے بعد آپ اس بنگلے میں کتنی دیر میں پہنچے تھے؟“

”فوراًہی۔“

”گویا آپ فائر کی آواز کا انتظار کر رہے تھے؟“

”جی۔۔۔!“ دھاراسنگھ چونک پڑا۔

”جی ہاں۔۔۔!“ انور معنی خیز انداز میں بولا۔

”کیا نہیں؟“

”میں فائر کی آواز سن کر گھبرا گیا تھا۔“ دھاراسنگھ نے کہا۔

”خیر خیر۔۔۔ تم بتا سکتے ہو کہ ارشاد کی خودکشی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟“ انور نے اُس سے پوچھا۔

”جی وہ جب آئے تھے پریشان تھے۔ مُجھ سے بیس ہزار روپیہ مانگا۔ بھلا میرے پاس اب اتنی رقم کہاں سے آتی جو کُچھ تھا اس کان پر لگا چکا تھا۔“

”وہ یہاں کب آیا تھا؟“

”آج ہی دو بجے۔“

”اس کے ساتھ اور کون تھا؟“

”جی کوئی نہیں۔“

”وہ یہاں کیوں آیا تھا۔۔۔؟“ انور نے پوچھا۔

”کہہ تو رہا ہوں کہ مُجھ سے روپے مانگنے۔“

”بندُوق کس کی تھی؟“

”میری ہی۔“

”تو کیا اُس نے کہا تھا کہ وہ شکار کھیلنا چاہتا ہے؟“

”جی ہاں۔“

”اور آپ یہ جانتے ہیں کہ کسی کو اپنی بندُوق دینا جرم ہے؟“

”جی ہاں۔ مُجھ سے یہ غَلَطی ضرور ہوئی۔“

”اس کے علاوہ بھی آپ نے ایک غَلَطی کی ہے۔“ انور بولا۔

”جی۔۔۔؟“ دھاراسنگھ پھر چونکا۔

”آپ نے اُسے بھری ہوئی بندُوق دے دی۔“

”بھری ہوئی۔جی نہیں۔ نہیں یہ بالکل جھوٹ ہے۔“

”شکار گاہ یہاں سے کتنی دور ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”دو میل۔۔۔!“

”تو پھر یہیں سے بندُوق بھر لینے کا مطلب نہیں سمجھ میں آتا۔“ انور نے کہا۔

”مطلب۔۔۔ ارے صاحب انہیں خود کُشی یہیں کرنی تھی۔ شکار گاہ جا کر کیا کرتے۔“ دھارا سنگھ نے کہا۔

”جی یہ خود کُشی نہیں بلکہ قتل ہے۔“ انور نے کہا۔

”قتل۔۔۔ قتل۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔ قتل کیوں۔“ دھارا سنگھ ہکلانے لگا۔

”یہ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ قتل کیوں؟“

”مم میں۔۔۔ کیا جانوں۔۔۔ ککیا۔۔۔ جنوں۔۔۔!“

”ہوں۔۔۔!“ انور ہونٹ بھینچ کر کوتوالی انچارج کی طرف مُڑا۔ ”کیا خیال ہے داروغہ جی۔“

”معاملات کُچھ اُلجھ کر رہ گئے ہیں۔“ کوتوالی انچارج اُکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

”پھر کیا ارادہ ہے؟“

"دھاراسنگھ کو کوتوالی تک جانا پڑے گا۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"کیوں۔۔۔؟" دھاراسنگھ نے بے ساختہ پوچھا۔

"اِس لیے کہ آپ نے اپنی بندُوق ارشاد کو دی تھی اور اُسی بندُوق سے اُس نے خودکُشی کی۔" کوتوالی انچارج بولا۔

"تو کیا مُجھے حوالات۔۔۔؟"

"جی ہاں۔" کوتوالی انچارج نے کہا اور انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ مسز ارشاد کو لے کر کہاں ٹھہریں گے؟"

"کہیں کسی ہوٹل میں۔" انور نے کہا۔ "لیکن کیا ہم لوگوں کی موجودگی یہاں ضروری ہے؟"

"جی ہاں۔۔۔ میں ارشاد کے متعلّق معلومات بہم پہنچانا چاہتا ہوں۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

”اور میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس ہیرے کی کان کے اور کتنے حصّے دار ہیں؟“ انور نے کہا۔

”ایک اور ہے۔“ دھاراسنگھ نے کہا۔

”وہ کہاں ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”تارجام میں۔“

”اب تک کتنا ہیرا نکل چکا ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”صرف چند ذرّے۔“ دھاراسنگھ نے کہا۔

”کام کب سے ہو رہا ہے؟“

”چھ ماہ سے۔“

”تو اس کا مطلب کہ ابھی تک کاروبار نقصان ہی پر چل رہا ہے؟“

”جی ہاں۔“

”ہیرے کی کان کا ٹھیکہ کس کی تحریک میں لیا گیا تھا؟“

”ارشاد صاحب سب سے بڑے حصّے دار تھے۔ انہیں کی تحریک سے ٹھیکہ لیا گیا تھا۔“

”آپ انہیں کب سے جانتے تھے؟“

”آج سے چھ ماہ قبل سیٹھ اطہر نے مُجھے اُن سے ملایا تھا۔“

انور کُچھ سوچنے لگا اور کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ باہر سنّاٹا طاری تھا۔ تاریکی کی سیاہ چادر ہر شے پر محیط تھی۔ ساجدہ بالکل ساکت بیٹھی تھی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔ تھوڑی دیر بعد پولیس کی لاری وہاں آ کر رکی۔ کوتوالی انچارج نے لاش اُٹھوا کر اُس پر رکھوا دی اور پھر دھاراسنگھ کو بھی وہاں لایا گیا۔ دھاراسنگھ کے سارے جسم پر کپکپی طاری تھی۔

”آگے چل کر بیٹھئے۔“ کوتوالی انچارج نے اُس سے کہا۔

”تو کیا واقعی؟“

”جی ہاں۔۔۔ آپ حراست میں ہیں۔“

”مگر۔۔۔ مگر۔۔۔!“ وہ ہچکچایا۔۔۔ کوتوالی انچارج نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ لاری اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی سامنے سڑک پر دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ دھارا سنگھ نے پائیدان پر پیر رکھا ہی تھا کہ کسی طرف سے اچانک فائر ہوا اور دھارا سنگھ چیخ مار کر پہلے تو ڈرائیور کی سیٹ پر ِگرا اور پھر اُچھل کر زمین پر آ رہا۔ وہ ایک تازہ ذبح کیے ہوئے مُرغ کی طرح تڑپ رہا تھا۔

”اُدھر۔۔۔ اُدھر۔۔۔!“ انور ایک طرف تاریکی میں ہاتھ اُٹھا کر چیخا۔ پولیس والوں کی ٹارچ کی روشنیاں اندھیرے کا سینہ چیرنے لگیں۔ انور ایک طرف بے تحاشہ دوڑا جا رہا تھا۔ کوتوالی انچارج اور پولیس والے اُس کے پیچھے تھے۔ دور تک اونچی نیچی پہاڑیوں اور کانٹے دار جھاڑیوں کا سِلسِلہ پھیلا ہوا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ سب اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے لیکن فائر کرنے والے کا سُراغ نہ ملا آخر وہ بے نیل و مرام واپس لوٹے۔ یہاں ایک دوسرا حادثہ اُن کا منتظر تھا۔

ساجدہ اپنی کار کے پائیدان سے ٹکی زمین پر پڑی تھی۔ اُس کا سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔ انور بے اختیار اُس پر جھک پڑا۔ کوتوالی انچارج بوکھلائے ہوئے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

"بے ہوش ہو گئی ہے۔" انور نے ساجدہ کو اپنے ہاتھوں پر اُٹھاتے ہوئے کہا۔ اُس نے اُسے کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں رُکنا نہ چاہیے۔" انور نے کوتوالی انچارج سے کہا اور پھر وہ دھارا سنگھ کی طرف متوجّہ ہوا جو زمین پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ "اسے بھی اٹھوایئے ختم ہو چکا ہے۔"

دھارا سنگھ کی لاش بھی لاری میں رکھ دی گئی۔

"آپ اِدھر کار میں آ جایئے۔۔۔!" انور نے کوتوالی انچارج سے کہا۔ وہ انور کے برابر بیٹھ گیا اور انور نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔ ان کی کار پولیس لاری کے پیچھے چل پڑی تھی۔

"یہ دوسرا قتل میری وجہ سے ہوا۔" انور نے کہا۔

"آپ کی وجہ سے کیوں؟" کوتوالی انچارج چونک کر بولا۔

"اگر خودکشی قتل نہ ثابت ہوتی تو دھاراسنگھ شاید زندہ رہتا۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ ارشاد ہی کا قاتل اس کا بھی قاتل ہے؟"

"قطعی۔۔۔!" انور نے کہا۔ "اِس دوران میں قاتل ہمارے آس پاس ہی رہا اور جب اُس نے دیکھا کہ پانسہ پلٹ چکا ہے اور پولیس دھاراسنگھ کو لیے جارہی ہے تو اُس نے اُسے بھی قتل کر دیا۔"

"کیوں۔۔۔؟" کوتوالی انچارج نے چونک کر کہا۔

"دھاراسنگھ کی زبان بند کرنے کے لیے۔ وہ ارشاد کے قاتل سے واقف تھا۔"

"اوہ۔۔۔!"

"لیکن اب اُس کا ملنا محال ہی معلوم ہوتا ہے۔" انور نے کہا۔

"یہ کیوں۔۔۔؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

انور نے اُس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں کے حلقے تنگ ہو گئے تھے۔

"سیٹھ اطہر کیسا آدمی ہے؟" انور نے کوتوالی انچارج سے پوچھا۔

"میں اُس کے متعلّق اچھّی رائے نہیں رکھتا۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے بڑھا ہے، پولیس اُس کی طرف سے ہمیشہ مشکوک رہتی ہے۔"

"کیوں پولیس مشکوک کیوں رہتی ہے؟" انور نے پوچھا۔

"وہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کافی دولت مند ہو گیا۔ بظاہر کوئی ایسا ذریعہ دِکھائی نہیں دیتا جس کی بناء پر اُس کی دولت کو جائز سمجھا جائے۔"

انور معنی خیز انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کوتوالی پہنچ گئے اور ان دونوں حادثوں کی خبر سارے علاقے

میں پھیل گئی۔ ساجدہ ہوش میں ضرور آگئی تھی لیکن اُس کی حالت ابتر تھی۔ انور نے اسے آرام دہ ہوٹل میں ٹھہرادیا اور خود کوتوالی چلا آیا۔ یہاں کوتوالی انچارج سیٹھ اطہر کا انتظار کر رہا تھا جسے اُس نے بُلوا بھیجا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سیٹھ اطہر اُس کے دفتر میں داخل ہوا۔ یہ ایک قوی الجثہ اور طویل القامت آدمی تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان ہی رہی ہو گی۔ اُس کے لباس اور رکھ رکھاؤ سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ایک شوقین مزاج آدمی ہے۔ وہ اس طرح مُسکراتا ہوا داخل ہوا تھا جیسے اُسے ان حادثات کی اطلاع نہ رہی ہو، قبل اس کے کہ کوئی اُس سے کُچھ پوچھتا وہ خود ہی بولا۔

”مُجھے ابھی ابھی دوسرے حادثے کی بھی اِطّلاع ملی ہے۔ میں آنے کی تیّاری ہی کر رہا تھا کہ آپ کا آدمی پہنچا۔“

”پہلے حادثے کی اطلاع آپ کو تھی؟“ انور نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”اور آپ دیپ نگر نہیں آئے۔“

”میں کیوں جاتا۔ میں اچھّی طرح جانتا تھا کہ ارشاد کے لیے اب خودکُشی کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا۔“

”کیوں یہ آپ کیسے جانتے تھے؟“ انور نے پوچھا۔

”وہ بالکل دیوالیہ ہو چکا تھا لیکن مُجھے دھارا سنگھ کے مرنے کا افسوس ہے۔ اُس غریب نے محض میری وجہ سے اس ناشدنی کان میں روپیہ لگایا تھا۔ لیکن اُسے کس نے اور کیوں قتل کر دیا۔“

”جس نے ارشاد کو قتل کیا ہے۔“ کوتوالی انچارج نے کہا۔

”قتل۔۔۔“ سیٹھ اطہر نے چونک کر پوچھا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟“

”ارشاد نے خودکُشی نہیں کی بلکہ اُسے کسی نے قتل کر دیا۔“

”ہیں۔۔۔؟“ سیٹھ اطہر نے کہا اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔

”آپ ارشاد کو کب سے جانتے تھے؟“ کوتوالی انچارج نے کہا۔

”جی۔۔۔؟“ اطہر نے چونک کر کہا اور انور کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں اُسے عرصے سے جانتا تھا اور اُسے بڑا آدمی سمجھتا تھا لیکن ڈھول کے اندر پول کا عِلم اِس کان میں روپیہ لگا دینے کے بعد ہوا۔“

”تو آپ اُس سے ناراض تھے؟“ کوتوالی انچارج نے کہا۔

”جی ہاں، بہت بُری طرح۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، میں نے اُس کی باتوں میں آکر خاصی رقم گنوا دی۔“

”تھوڑا بہت ہیرا نکلا ہے کان سے؟“ کوتوالی انچارج نے کہا۔

”صرف چند ذرّات۔ لیکن مُجھے اُس میں شُبہ ہے۔ میں ایک بالشت گہرا گڑھا کھود

کر اُس میں سے بھی ہیرے کے ذرات بر آمد کر سکتا ہوں۔" سیٹھ اطہر نے کہا۔

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ارشاد نے آپ کو دھوکہ دیا تھا۔۔۔؟" انور نے کہا۔

"جی ہاں۔۔۔ میں یہی کہوں گا اور اس کے لیے میرے پاس ثبوت موجود ہے۔"

"کیا۔۔۔؟"

"اُس کے ساتھ جو انجنیئر بھانت بھانت کے آلے لے کر آیا تھا ایک مشہور بدمعاش اور بلیک میلر تھا۔"

"اس پر بھی آپ پھنس گئے؟" انور نے کہا۔

"جی نہیں یہ تو مُجھے آج معلوم ہوا ہے۔" سیٹھ اطہر نے کہا۔

"کیسے۔۔۔؟"

"آج میں نے ایک اخبار میں اُس کی تصویر دیکھی تھی۔ وہ دھوکہ دہی کے ایک معاملے میں پکڑا گیا ہے۔"

”شاید آپ اجیت کمار کی بات کر رہے ہیں؟“ انور نے کہا۔

”جی ہاں۔۔۔ اجیت کمار۔ وہی اُس کے ساتھ انجنیئر بن کر آیا تھا اور اُس نے بہتیرے آلات کی مدد سے یہ بات ثابت کی تھی کہ یہاں ہیرے کی کان ہے اور ہم لوگ بڑی خوشی سے روپیہ لگانے کے لیے تیّار ہو گئے تھے۔ بہر حال میں اس اِطّلاع کے بعد شہر جانے کی تیّاری ہی کر رہا تھا کہ مُجھے ارشاد کی خودکُشی کے بارے میں معلوم ہوا۔ میں اس نتیجے پر جلدی ہی پہنچ گیا کہ اجیت کمار کی تصویر شائع ہو جانے کی وجہ سے گھبرا کر اُس نے خودکُشی کرلی۔ لیکن اب آپ کہتے ہیں کہ اُسے کسی نے قتل کر دیا۔ خیر ایسے آدمیوں کا یہی انجام ہوتا ہے لیکن دھارا سنگھ کے قتل کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔“

”بہر حال آپ کو اُس سے دُشمنی تھی؟“ کوتوالی انچارج نے کہا۔

”قطعی۔۔۔ لیکن اتنی بھی نہیں کہ اُسے قتل کر دیتا۔“ سیٹھ اطہر مُسکرا کر بولا۔ یہ مُسکراہٹ کُچھ عجیب سی تھی۔ جسے کوتوالی انچارج مشکوک سمجھے بغیر نہ رہ سکے۔

”دھارا سنگھ تو آپ کا جگری دوست تھا؟“ کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”ارشاد سے اُس کے کیسے تعلقات تھے؟“

”بُرے نہیں تھے۔“

”ایک بات۔“ انور نے کوتوالی انچارج کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ ”اجیت کمار کا راز معلوم ہونے کے بعد فطری طور پر آپ کو شہر جانے کے بجائے دھارا سنگھ کو اس کی اِطّلاع دینے کے لیے جانا چاہیے تھا۔“

”جی ہاں میں دھارا سنگھ سے ملتا ہوا شہر جاتا۔“ اطہر نے کہا۔ ”اور جب مُجھے یہ معلوم ہوا کہ ارشاد نے دیپ نگر میں خود کُشی کی ہے تو میں سمجھ گیا کہ اُسے بھی یہیں آ کر اجیت کمار کی تصویر شائع ہونے کا حال معلوم ہوا اور اُس نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھتے ہوئے خود کُشی کر لی۔“

”لیکن دھارا سنگھ کو اجیت کمار والے واقعے کی اِطّلاع نہیں تھی۔“ کوتوالی انچارج

نے کہا۔

”ارشاد اُس سے بیس ہزار روپے لینے کے لیے یہاں آیا تھا۔“

”تو پھر اگر دھارا سنگھ خود نہ مار ڈالا جاتا تو میں یہی سمجھتا کہ اُس نے ارشاد کو قتل کیا ہے۔“ اطہر نے کہا۔ ”آدمی چاہے کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو لیکن جب اُس پر اچانک یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ دھوکہ کھا گیا ہے تو وہ تھوڑی دیر کے لیے غصّے سے پاگل ضرور ہو جاتا ہے۔“

”تو پھر اُس اصول کے تحت تو آپ بھی ارشاد کے قاتل ہو سکتے ہیں۔“ انور نے کہا۔

”لیکن میں۔۔۔!“

”آپ نے بے چارے دھارا سنگھ کو بھی اپنے جُرم میں شریک کر لیا اور جب یہ دیکھا ہو کہ خودکُشی قتل میں تبدیل ہو گئی تو آپ نے اس ڈر سے دھارا سنگھ کو قتل کر دیا ہو کہ کہیں پولیس اُس سے سب کُچھ اُگلوا نہ لے۔“ انور نے کہا۔

اطہر دفعتاً کُچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کوتوالی انچارج اُسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔

"خیر میں اس کے لیے درجنوں ثبوت مہیّا کر سکوں گا کہ آج صُبح سے اس وقت میں تار جام ہی رہا اب مُجھے یہاں اور کتنی دیر بیٹھنا پڑے گا؟"

"جس وقت تک آپ کا دِل چاہے۔۔۔ آپ جا سکتے ہیں۔" کوتوالی انچارج نے مُسکرا کر کہا۔ "میں نے محض چند معلومات حاصل کرنے کے لیے آپ کو تکلیف دی تھی۔"

"شکریہ۔۔۔!" اطہر نے اُٹھتے ہوئے کہا اور پھر کمرے سے چلا گیا۔ کوتوالی انچارج بھی فوراً ہی اُٹھ کر باہر چلا گیا۔

پُراسرار ہمدردی

تھوڑی دیر بعد کوتوالی انچارج پھر واپس آ گیا۔ انور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور جب وہ چونکا تو اُس نے محسوس کیا کہ کوتوالی انچارج اُس کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مُسکرا رہا ہے۔ انور بھی خواہ مخواہ مُسکرانے لگا۔

”مسٹر انور میں آپ کے مداحوں میں سے ہوں۔“ کوتوالی انچارج نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”لیکن میں پوچھ سکتا ہوں کہ بیگم ارشاد خصوصیت سے آپ کو اپنے ساتھ کیوں لے آئی ہیں؟“

”آپ کا یہ سوال ذہانت سے بھرپور ہے۔“ انور مُسکرا کر بولا۔ ”اِس خصوصیت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بیگم ارشاد مُجھے اچھّی طرح جانتی ہیں۔“

”یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی۔“ کوتوالی انچارج نے کہا۔ ”اور بہتوں کو بھی وہ اچھّی طرح جانتی ہوں گی؟“

”جانتی ہوں گی اور بھلا اس میں مُجھے اعتراض ہی کیا ہو سکتا ہے۔“ انور نے مُسکرا کر کہا۔

”بات یہ نہیں مسٹر انور، اُن کے اس رویّے پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔“ کوتوالی انچارج بولا۔

”میں غور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ چلیے۔“ انور شانے اُچھال کر بولا۔

”میرا خیال ہے کہ بیگم ارشاد کو پہلے ہی سے اِس خُودکُشی پر شُبہ تھا، اس لیے وہ آپ کو ساتھ لائیں۔“

”ممکن ہے یہی بات رہی ہو لیکن انہوں نے اس کے متعلّق مُجھ سے کُچھ نہیں

کہا۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"اور اگر ایسا ہے تو انہیں اپنے شُبہ کی وجہ بتانی پڑے گی۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"ضرور بتانی پڑے گی۔" انور نے اُسی کے لہجے کی نقل کی۔ کوتوالی انچارج بھنّا کر اُسے گھورنے لگا۔

"غالباً اب وہ ٹھیک ہوں گی۔" کوتوالی انچارج بولا۔ "میں اُن سے اس کے بارے میں کُچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ سیٹھ اطہر کی گفتگو سے ارشاد کی پوزیشن کُچھ خراب ہو گئی ہے۔"

"کیوں پوزیشن کیوں خراب ہو گئی؟"

"وہ اجیت کمار والا معاملہ۔۔۔!" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"اور آپ نے اس پر یقین کر لیا۔۔۔؟"

"یقین نہ کرنے کی وجہ؟"

”اچھّاتو اس پر بھی یقین کر لیجئے کہ ارشاد پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔“

”کمال کیا آپ نے۔“ کوتوالی انچارج ہنس کر بولا۔

”اچھّا اس پر یقین نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟“

”ارے بھئی میں ارشاد کو اچھّی طرح جانتا تھا۔“ کوتوالی انچارج ہنستا ہوا بولا۔

”تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ ارشاد کا وجود تھا۔ لیکن اجیت کمار والے واقعے کے متعلّق اطہر کے علاوہ اور دوسرا گواہ کون ہے؟“

”اوہ۔۔۔!“ کوتوالی انچارج انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”دھارا سنگھ۔۔۔ دھارا سنگھ۔۔۔نے بھی اُسے انجنیئر کے روپ میں ضرور دیکھا ہو گا۔“

”لیکن وہ بے چارہ اس بیان کی تصدیق کرنے کے لیے عدالت میں نہ حاضر ہو سکے گا۔“ انور طنزیہ انداز میں بولا۔

کوتوالی انچارج خاموش ہو گیا۔ انور نے ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا

سگریٹ سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"بہر حال مُجھے بیگم ارشاد سے گفتگو کرنی ہے۔" کوتوالی انچارج اٹھتا ہوا بولا۔

انور اُٹھ ہی رہا تھا کہ ایک پستہ قد اور دوہرے جسم کا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ یہ سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا۔ اُس کے چہرے کی تھکن اور کپڑوں پر پڑی ہوئی گرد سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی لمبا سفر کر کے آ رہا ہے۔ اُس کی عمر کُچھ زیادہ نہ تھی مگر قبل از وقت سر کے بال گر جانے کی وجہ سے معمّر معلوم ہو رہا تھا۔

"میں۔۔۔ میں۔۔۔ ارشاد مرحوم کے سِلسِلے میں یہاں آیا ہوں۔" وہ دروازے پر ٹھٹک کر بولا۔

"آپ کون ہیں؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

"میرا نام رضوان ہے۔ ارشاد میرا دوست تھا۔ اُس نے مُجھ سے بیس ہزار روپے مانگے تھے اور لکھا تھا کہ وہ آج ہی کے دِن تار جام میں ملے گا۔ پہلے تو میں نے اُسے لکھ دیا تھا کہ میں انتظام نہیں کر سکتا لیکن پھر اتّفاق سے روپے دستیاب ہو

گئے اور میں سیدھا یہیں چلا آیا مگر یہاں آ کر معلوم ہوا۔۔۔!"

"بیٹھ جایئے۔" کوتوالی انچارج کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "آپ کہاں رہتے ہیں؟"

"اُسی شہر میں جہاں ارشاد کا خط ملا۔۔۔ اور کُچھ۔۔۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو گیا۔"

انور بڑے غور سے رضوان کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہ کُچھ بولا نہیں۔

"مسٹر انور آپ انہیں پہچانتے ہیں؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ میں نے اس سے پہلے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔" انور نے جواب دیا۔

"تو آپ وہ بیس ہزار روپے لائے ہیں؟" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"جی ہاں۔۔۔!" رضوان نے کوٹ کی جیب سے سو سو روپے کے نوٹوں کے کئی بنڈل نکالے۔

"بیگم ارشاد آپ کو پہچانتی ہیں؟"

"جی ہاں۔۔۔اچھّی طرح۔" رضوان بولا۔

"اچھّا تو پھر ہم لوگ وہیں چل رہے ہیں۔" کوتوالی انچارج اٹھتا ہوا بولا۔ "وہ رائل ہوٹل میں ہیں۔"

"اوہ ضرور چلیے۔۔۔ ضرور چلیے۔ بے چاری ساجدہ۔" رضوان اندوہناک آواز میں بولا۔ وہ لوگ کار میں بیٹھ کر رائل ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ انور اس دوران میں کُچھ نہیں بولا۔

وہ بہت دلچسپی سے رضوان کا جائزہ لے رہا تھا۔ راستے بھر خاموشی رہی۔ رائل ہوٹل پہنچ کر وہ ساجدہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ ساجدہ ایک کرسی پر آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی۔ رضوان کو دیکھ کر اُس کے ہونٹ کانپے، نتھنے پھڑکے اور آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑا۔

"یہ آخر ہوا کیا؟" رضوان بے ساختہ بولا۔

ساجدہ منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ یہ تینوں خاموشی سے بیٹھ گئے۔ آہستہ آہستہ ساجدہ کی سِسکیاں کم ہوتی جارہی تھیں اور پھر وہ بالکل خاموش ہو گئی۔

"اگر آپ کی طبیعت ٹھیک ہو تو میں کُچھ پوچھنے کی جرأت کروں۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"پوچھئے۔۔۔!" ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیا آپ کو شہر سے چلتے وقت اس قسم کا شُبہ تھا کہ ارشاد صاحب نے خودکشی نہیں کی؟"

"قطعی نہیں۔ کُچھ نہیں۔ میرے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا کہ میں بیوہ ہو گئی اور بس۔" ساجدہ پھر رو پڑی۔

"مُجھے افسوس ہے کہ میرے اس سوال سے آپ کو تکلیف پہنچی۔" کوتوالی انچارج جلدی سے بولا۔

"نہیں۔۔۔ آپ اور جو کُچھ پوچھنا چاہیں۔۔۔ میں۔۔۔!"

”کیا آپ کو معلوم تھا کہ انہوں نے رضوان صاحب سے بیس ہزار روپے مانگے تھے؟“

”جی نہیں مُجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں۔“

”اچھّا آپ انور صاحب کو اپنے ساتھ کیوں لائی ہیں؟“ کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

ساجدہ انور کی طرف دیکھنے لگی جو اپنے گردوپیش سے بے خبر خیالات میں ڈوبا ہوا سگریٹ کے کش لے رہا تھا اور ساجدہ نے اپنے شوہر کی یادداشت کھو بیٹھنے کی داستان دہرادی اور اس سِلسلے میں انور سے مدد کی طالب ہونے کا حال بھی بتایا۔

”تو آپ نے اس مسئلے میں پولیس کی مدد کیوں نہ لی؟“ کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

”اس طرح بات پھیلتی اور تجارت کے ساجھی داروں کو مال گول کرنے کا موقع مل جاتا۔“ ساجدہ نے کہا۔

”مگر حالات تو کُچھ ایسے پیش آتے ہیں جن کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ارشاد صاحب کی یادداشت پر کوئی غیر معمولی اثر نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو انہیں ہیرے

کی کان بھی نہ یاد رہتی۔ وہ بیس ہزار روپے بھی نہ یاد رہتے جن کی انہیں ضرورت تھی کیوں انور صاحب؟“

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“ انور نے کہا اور سگریٹ کا ٹکڑا فرش پر ِگرا کر پیر سے مسل دیا۔

”کیا آپ ایسے آدمی یا آدمیوں کے نام بتا سکتی ہیں جو اُن سے دُشمنی رکھتے ہوں۔“ کوتوالی انچارج نے ساجدہ سے پوچھا۔

”مشکل ہے۔ نہ میں اُن کے دوستوں کے متعلّق کُچھ جانتی ہوں اور نہ دُشمنوں کے متعلّق۔“

”رضوان صاحب سے اُن کے کیسے تعلقات تھے؟“

”اچھّے تھے۔“

اس کے بعد کوتوالی انچارج کُچھ اور باتیں بھی پوچھتا رہا اور انور اٹھ کر نیچے ہال میں چلا گیا۔ وہ ابھی تک خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُس نے کافی کا آرڈر دیا اور بیٹھ کر

سگریٹ سلگانے لگا۔ وہاں بیٹھے بیٹھے اُس نے کافی کے کئی کپ پیئے۔ تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ رضوان آ گیا۔ انور نے اٹھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ رضوان کرسی گھسیٹ کر اُس کے قریب بیٹھ گیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو گیا۔" رضوان آہستہ سے بولا۔

"وہی جو ایسے معاملات میں ہوتا آیا ہے۔" انور نے رضوان کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرا کوئی مطلب نہیں۔" انور آہستہ سے بڑبڑایا۔ رضوان کُچھ نہیں بولا۔ وہ خاموشی سے انور کو گھورتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد غم زدہ آواز میں بولا۔ "آخر بے چاری زبیدہ کا کیا ہو گا؟"

"جی۔۔۔؟" رضوان اس طرح اچھلا جیسے کرسی نے ڈنگ مار دیا ہو۔

"جی ہاں۔۔۔!" انور سنجیدگی سے بولا۔

"مم۔۔۔ میں آپ کا مطلب۔۔۔ نن۔۔۔!"

"نہیں سمجھا۔" انور نے طنزیہ انداز میں جملہ پورا کر دیا اور معنی خیز انداز میں مُسکرانے لگا۔ اور پھر رضوان کا شانہ تھپک تھپک کر کہنے لگا۔ "پولیس آپ کی طرف سے بہت زیادہ مشکوک ہو جائے گی۔ رضوان صاحب ساجھے کی تجارت تو چل ہی جاتی ہے مگر ساجھے کی عورت۔ آپ خود سوچئے کہ پولیس کس نتیجے پر پہنچے گی؟"

رضوان کے ماتھے پر پسینے کی ننّھی ننّھی بوندیں پھوٹ آئیں۔ ہونٹ خشک ہو گئے اور سوکھے ہوئے حلق میں سانس اٹکنے لگی۔ انور اُس کی حالت کے تغیر کو اچھّی طرح محسوس کر رہا تھا لیکن وہ کُچھ بولا نہیں۔

"اب تو واقعی میں بڑی مشکل میں پھنس گیا۔" رضوان تھوک نگلتا ہوا بولا۔

"مگر میں قسم کھانے کے لیے تیّار ہوں کہ زبیدہ ساجھے کی نہیں۔"

"آپ اس کا کوئی ثبوت بہم نہ پہنچا سکیں گے۔"

”کیوں کیا زبیدہ سچّی بات نہ کہے گی؟“

”تو بھی آپ پر ایک دوسرا چارج لگے بغیر نہ رہ سکے گا کہ آپ اُسے اغوا کر کے لائے ہیں۔“ انور بولا۔

”اور اگر میں اُسے اپنی بیوی ثابت کرا دوں تو۔۔۔؟“

”ناممکن ہے۔۔۔ وہ ایک ضدّی لڑکی ہے جب اُسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ اب تک دھوکے میں رکھی گئی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے سچ بولنے سے باز نہ رکھ سکے گی۔“

”تو کیا آپ اُسے عرصہ سے جانتے ہیں؟“ رضوان گھبرا کر بولا۔

”جی نہیں کسی کے کردار کا مطالعہ کرنے کے لیے صرف ایک ہی گھنٹہ کافی ہوتا ہے“ رضوان تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

”بات دراصل یہ ہے مسٹر انور میں نے جو کُچھ بھی کیا دوستی نبھانے کے لیے کیا۔“

”جہنّم میں گئی ایسی دوستی۔“ انور منہ بنا کر بولا۔ ”اس کے لیے تم ایک معصوم لڑکی کی زندگی برباد کر دی۔۔۔ لیکن لاحول ولا۔۔۔ میں بھی تمہارے ہی دماغ سے سوچنے لگا۔ ممکن ہے وہ ارشاد کی موجودگی میں تمہارے ہتھّے نہ چڑھتی رہی ہو۔ اس لیے تم نے ارشاد ہی کو راستے سے ہٹا دیا اور غریب دھارا سنگھ تو مُفت میں مارا گیا۔“

”مسٹر انور۔۔۔!“ رضوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”آپ خواہ مخواہ مُجھے پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

”جی اگر خواہ مخواہ پھانسنے کا ارادہ ہوتا تو میں زبیدہ کا ذکر اُسی وقت چھیڑ دیتا جب تُم کوتوالی میں آئے تھے لیکن میں زبیدہ والے معاملے کو زیادہ دِنوں تک نہ چھپا سکوں گا۔“

”مسٹر انور۔۔۔ میں قسم کھا کر۔۔۔!“

”بس بس۔۔۔!“ انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس کی ایک ہی صورت ہے اگر تم واقعی

ارشاد کے قاتل نہیں ہو تو زبیدہ سے باقاعدہ طور پر نکاح کر لو۔ ورنہ۔۔۔زبیدہ ہی کی زبانی تمہیں ارشاد کا قاتل ثابت کرا دینا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہو گا۔"

"مُجھے منظور ہے۔" رضوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اب یہ بتاؤ کہ ارشاد سے تم کب ملے تھے؟"

"ایک ہفتہ قبل۔۔۔!"

"اُس کی دماغی حالت کیسی تھی؟"

"بالکل ٹھیک تھی۔"

"کبھی اُس پر پہلے بھی یادداشت کھو بیٹھنے والا دورہ پڑا تھا؟"

"میری دانست میں تو کبھی نہیں۔"

"اُس کی مالی حالت کیسی تھی؟"

"اس دوران میں خراب ہو گئی تھی۔"

”تمہیں ہیرے کی کان کی اطلاع تھی؟“

”ہاں اُس نے مُجھ سے تذکرہ کیا تھا۔“

”کیا تم نے بھی اپنا روپیہ اُس میں لگایا تھا؟“

”نہیں۔۔۔ میں کسی کی شراکت میں کوئی تجارت نہیں کرتا۔“

”تمہارا کس چیز کا کاروبار ہے؟“

”فارورڈنگ اور کلیرنگ، کُچھ ذاتی ایکسپورٹ اور امپورٹ بھی کرتا ہوں۔“

”ارشاد کو کب سے جانتے تھے؟“

”تقریباً پانچ سال سے۔“

”تمہاری دانست میں اُسے کون قتل کر سکتا ہے؟“

”میری دانست میں اُس کا کوئی دُشمن نہیں تھا۔“

”یہاں کب تک قیام کرو گے؟“

”ساجدہ کے ساتھ ہی واپس جاؤں گا۔ یہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔“

اُس کے بعد دونوں اٹھ گئے۔

دوسرے دِن ساجدہ اور انور شہر کی طرف جا رہے تھے۔ رضوان کو کوتوالی انچارج نے کسی مصلحت سے تار جام ہی روک لیا تھا۔ انور کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ ساجدہ اُس کے برابر بیٹھی تھی۔ اس وقت پھر اُس کے ماتھے پر غرور کی سلوٹیں اُبھر آئیں۔ آنکھوں کی سفّاک چمک عود کر آئی تھی لیکن وہ خاموش تھی۔

”ارشاد کی زندگی کا بیمہ تو رہا ہی ہو گا؟“ انور نے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔!“

”کتنے کا۔۔۔؟“

”اسی ہزار روپے کا۔“

”اوہ۔۔۔ خاصی رقم ہے۔“ انور نے کہا۔

"مگر وہ پالیسی پر پہلے ہی قرض لے چکا تھا۔" ساجدہ بولی۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم بالکل ہی کنگال ہو چکی ہو۔"

"تم کتنے ظالم اور وحشی ہو۔" ساجدہ منہ بگاڑ کر بولی۔

"اب ان سلوٹوں کو مٹ جانا چاہیے تھا۔" انور نے اُس کے ماتھے کی طرف دیکھ کر کہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں ساجدہ کا ہاتھ اُٹھ کر اُس کے گال پر پڑا۔ انور نے کار روک دی۔ جیب سے ساجدہ کے دیے ہوئے پانچ سو روپے کے نوٹوں کا بنڈل نکال کر اُس کی گود میں ڈالتا ہوا بولا۔ "شکریہ خدا حافظ۔"

وہ کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا اور کار اُس پر دھول جھونکتی ہوئی آگے نکل گئی۔ وہ پیدل چل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے شہر جانے والی بس مل گئی اور وہ اُس پر بیٹھ کر اپنے اخبار کے لیے ہیرے کی کان کی ٹریجڈی لکھنے لگا۔

سرکاری جاسوس سے جھڑپ

شہر پہنچ کر وہ سیدھا آفس چلا گیا۔ رشیدہ بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ انور کو دیکھ کر اُس کا چہرہ کِھل گیا۔

"دوڑتے دوڑتے کچومر نکل گیا۔" رشیدہ منمنائی۔ انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کرسی گھسیٹ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

"وہ لڑکی پُراسرار طریقے پر غائب ہوگئی۔" رشیدہ نے کہا۔ "کل رات میں نے کم از کم دس چکر دولت گنج کے ضرور لگائے ہوں گے۔"

"مجھے اُس لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں۔" انور بیزاری سے بولا۔

"اور ساجدہ۔۔۔؟"

"جہنّم میں گئی۔"

"یہ تو بڑا اچھّا ہوا۔" رشیدہ چہک کر بولی۔ "اپنا پتہ دے گئی ہے یا نہیں؟"

"میں نے اُس کے روپے واپس کر دیے ہیں۔"

"لیکن اُس کے شوہر نے خُودکُشی کیوں کرلی؟"

"خُودکُشی نہیں قتل۔۔۔!" انور بولا۔

"قتل؟ قتل کس نے کیا؟"

"میں نے۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اب تمہارا بھی گلا گھونٹ کر پھانسی پر چڑھ جاؤں گا۔"

"شوق سے، تمہارے ہاتھوں مرنے میں مُجھے کوئی دُکھ نہ ہو گا۔" رشیدہ نے اتنے

رومانی انداز میں کہا کہ انور کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"ٹیں ٹیں مت کرو۔ مُجھے بھوک لگ رہی ہے۔" انور نے کہا۔

"تو ایسے بولو نا۔" رشیدہ اُٹھتی ہوئی بولی۔ "ابھی میری جیب میں کافی پیسے ہیں۔"

دونوں دفتر سے نکل کر سامنے والے ریستوران کی طرف بڑھے۔

"کل سے انسپکٹر آصف کئی بار تمہیں پوچھنے کے لیے آ چکا ہے۔" رشیدہ نے کہا۔

"بھئی اب ختم بھی کرو یہ قصّہ۔ میں نے کہہ دیا کہ مُجھے اُس سے کوئی دلچسپی نہیں۔" انور بولا۔

"ختم کر دیا۔" رشیدہ نے کھانا ختم کرنے کے بعد پانی پیتے ہوئے کہا۔

"تم پھر مُجھے حسین لگ رہی ہو۔" انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

"لڑکے؟" رشیدہ نے بیرے کو مخاطب کر کے کہا۔ "صاحب کے لیے ایک ڈبّہ سگریٹ لے آؤ۔ اسٹیٹ ایکسپریس۔"

انور دوسری طرف منہ پھیر کر مُسکرانے لگا۔

"اور میرے ہونٹوں کا رنگ کیسا ہے؟" رشیدہ نے شرارت آمیز مُسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"تم لال رنگ کی پڑیا پھانک گئی ہو۔" انور بولا۔

"اور میری آنکھوں کی جھیلوں میں؟"

"کیچڑ ہے کیچڑ، کسی ڈاکٹر کو دکھاؤ۔" انور نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"اور میرے گالوں کے سیب۔۔۔؟"

"سیب نہیں شلجم کہو۔ آج صُبح تم نے مُنہ کیوں نہیں دھویا؟" انور بیزاری سے بولا۔

"اور۔۔۔ میرے۔۔۔!"

"ہاں اور تمہارے سر میں جوئیں نج بجا رہی ہیں۔ بس اب چُپ رہو۔"

”نہیں چُپ رہتی۔“

”دیکھو میں یہاں ریستوران میں کسی قسم کا جھگڑا کرنے کے لیے تیّار نہیں۔“ انور اُٹھتا ہوا بولا۔ وہ دونوں پھر آفس میں لوٹ آئے۔ یہاں ایڈیٹر کے کمرے میں انسپکٹر آصف انور کا انتظار کر رہا تھا۔ انور اپنی میز پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ ایڈیٹر کے کمرے میں طلبی ہوئی۔

آصف نے انور کو گھورنا شروع کر دیا لیکن انور اُس کی طرف دیکھے بغیر ایڈیٹر کی طرف متوجّہ ہو گیا۔

”سب انسپکٹر صاحب تمہیں یاد کر رہے تھے۔“ ایڈیٹر نے کہا۔

”وہ تو ہر وقت مُجھے یاد کرتے ہیں۔۔۔ محبّت بہت بُری چیز ہے۔“ انور مُسکراتا ہوا ایک آنکھ دبا کر بولا۔

”تم کل رات کو کہاں تھے؟“ آصف نے کڑک کر پوچھا۔

”شہنشاہ باؤڈالی کے ساتھ لوڈو کھیل رہا تھا۔“ انور نے بے پرواہی سے کہا اور ایک

کرسی پر بیٹھ گیا۔ آصف کی بھنویں تن گئیں اور ایڈیٹر مُسکرانے لگا۔

”دیکھو میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ آصف نے بیزاری سے کہا۔

”تو میں کب تمہیں مذاق پر مجبور کر رہا ہوں۔“

”کل تم شہر میں ارشاد کے متعلّق چھان بین کیوں کرتے پھر رہے تھے۔“ آصف نے پوچھا۔

”میرا ارادہ تھا کہ اُس کی ایک شادی اور کرادوں۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا۔

”دیکھو اگر تم سیدھی طرح بات نہیں کروگے تو مجبوراً مُجھے تمہیں حراست میں لینا پڑے گا۔“

”یار کبھی اس دھمکی کو عملی جامہ تو پہنا کر دکھاؤ۔“ انور مُسکرا کر بولا۔

”اس بار یہی ہو گا۔“

”لیکن کس جرم میں؟“

”میں تم پر شُبہ کر رہا ہوں۔“

”کس بات کا۔۔۔؟“

”ارشاد کے قتل کا۔“

”کوئی وجہ۔۔۔؟“

”سب سے بڑی وجہ تو یہی ہے کہ مسز ارشاد اور تم۔۔۔!“

”میں سمجھ گیا۔“ انور آصف کی بات کاٹ کر جلدی سے بولا۔ ”ایک دوسری وجہ اور ہے کہ کریم نگر کے ایک جوئے خانے سے مُجھے دو سو روپے یومیہ ملتے ہیں۔۔۔ اور میں۔“

”اچھّا اچھّا۔۔۔!“ انسپکٹر آصف جلدی سے اٹھتا ہوا بولا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔۔۔ باہر۔۔۔ مُجھے تم سے کُچھ پوچھنا ہے۔“

”تو ایسے بات کرو نا پیارے۔“ انور آصف کے پیچھے ایڈیٹر کے کمرے سے نکلتا ہوا بولا۔

”ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ تم کل ہائی سرکل کلب میں ارشاد کے متعلّق کیوں پوچھ گچھ کر رہے تھے؟“

”میں بتا تو دوں لیکن آج کل میری جیب خالی ہے۔ تم کریم نگر کے جوئے خانے سے دو سو روپیہ روز کماتے ہو اور مُجھ جیسے مفلس دوست کیلیے تمہاری جیب سے ایک پائی نہیں نکلتی۔“

”دیکھو تم مُجھے اس طرح دھونس میں نہیں لے سکتے۔“ آصف نے جھلا کر کہا۔

”میرے پیارے۔“ انور شرارت آمیز مُسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”میرے پاس اِس کے لیے اتنے ثبوت اور ایسے معزّز گواہ ہیں کہ تمہارا پارسل بیرنگ ہو سکتا ہے۔“

”آخر تم چاہتے کیا ہو؟“ آصف زِچ ہو کر بولا۔

"میں تمھیں جو اطلاع دوں گا اُس کی قیمت صرف سو روپے ہے۔" انور بولا۔ "اور یہ بھی میرا احسان ہو گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" آصف منہ پھُلا کر بولا۔ "لیکن یہ سو روپے تم آسانی سے ہضم نہ کر سکو گے۔"

"فکر مت کرو۔ میرے پاس ہاضمے کے کئی چورن ہیں۔"

"ہوں اب آؤ۔" انور اُس کا بازو پکڑ کر ایک طرف لے جاتا ہوا بولا۔ "تمہارے لیے چائے منگواؤں یا کافی؟"

"بس بس شکریہ۔" آصف تنفّر آمیز لہجے میں بولا۔

"انور نے اُسے ارشاد کی یادداشت کھو جانے کا اور ساجدہ کے طالبِ امداد ہونے کا واقعہ دہرادیا۔

"یہ تو مجھے ساجدہ ہی سے معلوم ہو چکا ہے۔" آصف نے کہا۔ "میں نے اس کے لیے سو روپے تمھیں نہیں دیے۔"

”ہاں ہاں میں جانتا ہوں، جوئے خانے والے معاملے کی پردہ پوشی کے لیے دیے ہیں۔“ انور جلدی سے بولا۔

”دیکھو انور میں سچ کہتا ہوں۔“ آصف تیز لہجے میں کُچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”میں سچ بولنے والوں کی قدر کرتا ہوں۔“ انور طنزیہ انداز میں مُسکرا کر بولا۔

”کل رات کو رشیدہ بار بار دولت گنج کے چکر کیوں لگا رہی تھی؟“

”یہ اُسی سے پوچھ لیا ہوتا۔“ بہت سعادت مند لڑکی ہے۔ فوراً بتا دیتی ہے۔“

”سعادت مند۔۔۔!“ آصف ہونٹ بھینچ کر آہستہ سے بولا اور چند لمحے خاموش رہ کر کہنے لگا۔ ”اس بار تمہارا بچنا مشکل ہے۔“

”ارے۔۔۔!“ انور چونک کر بولا۔ ”یہ تم نے کیسے کہا۔ کیا میں کُچھ بیمار معلوم ہو رہا ہوں؟“

”رشیدہ کو بلاؤ۔“ آصف میز پر گھونسہ مارتا ہوا بولا۔

"تمہارے باپ کی نوکر نہیں ہے۔" انور آصف کو گھور کر بولا۔ "اُس سے اگر تم ذرّہ برابر بھی بدتمیزی سے پیش آئے تو اچھّا نہ ہو گا۔" پہلے تو آصف کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا لیکن پھر آہستہ آہستہ اُس نے اپنی حالت پر قابو پا لیا۔ وہ جانتا تھا کہ انور ضدّی آدمی ہے اور پھر بلا کا ذہین، وہ اُسے دھمکیاں تو ضرور دیتا رہتا تھا کہ اگر اُسے کُچھ دِنوں کے لیے جیل بھجوا بھی دیا گیا تو اُس سے اُسے کوئی خاص نقصان نہ پہنچے گا لیکن اگر وہ شرارت پر آمادہ ہو گیا تو شہر کے درجنوں پولیس افسروں کی عزّت کا جنازہ نکل جائے گا۔

"تو تم نے رشیدہ سے شادی کر لی ہے؟" آصف جھینپی ہوئی مُسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"شادی تو میرے باپ کی بھی نہیں ہوئی تھی۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"تم جیسا حرام زادہ بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔" آصف بے ساختہ ہنس کر بولا۔

"محض خالی خولی رُعب جمانے اور گالیاں دینے سے دوستانہ بے تکلّفی پیدا نہیں ہوا کرتی۔ میرے تیس مار خاں۔" انور نے آصف کو گھورتے ہوئے کہا۔

"طنز کرنا اور باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔" آصف کہنے لگا۔ "تم تو اچھّے خاصے ایکٹر بن گئے ہو۔"

"اور اگر زندگی بھر تم جیسے مہربان دوستوں کے ساتھ ہی زندگی گزارنا پڑی تو بہت جلد کریکٹر ایکٹر بھی بن جاؤں گا۔" انور اپنی آنکھوں کو سیکڑتے ہوئے بولا۔ "تم نے آج تک کوئی کام کی بات بھی۔۔۔!"

"لیکن آج میں کام کی بات ہی بتانے آیا ہوں تمہیں۔" آصف انور کا جملہ کاٹتے ہوئے کہنے لگا۔ "مگر تم اپنے متعلّق ضرورت سے زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہو۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" انور یکایک سنجیدہ ہو گیا۔

"مطلب صاف ہے کہ تمہاری پوزیشن اس وقت مشکوک ہو چکی ہے اور تمہارے ماضی کے متعلّق معلومات حاصل کی جا رہی ہیں کہ تمہاری چرب زبانی

اور لاف زنی دھری رہ جائے گی۔ ساجدہ سے تمہاری وابستگی اور دلچسپی بہر حال اس شُبہ کو اور مضبوط بنا سکتی ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا۔" یہ کہہ کر آصف فاتحانہ اور بزرگانہ انداز میں انور کو گھورنے لگا۔

لیکن انور کی فطری شوخی اُس کی آنکھوں میں پھر عود کر آئی اور اپنے مخصوص انداز میں کہنے لگا۔ "واہ واہ کیا دور کی کوڑی لائے ہو۔ میرا خیال پوچھتے ہو تو شاید یہ معلوم کر کے بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کہ مُجھے ساجدہ سے کوئی ہمدردی نہیں۔ وہ ایک مغرور عورت ہے۔ رشیدہ مُجھ سے بہت زیادہ بے تکلّف ہے لیکن ایک دوست سے زیادہ اُس کی ذات سے خاصی دلچسپی ہونی چاہیے۔ کیونکہ تمہارے خیال کے مطابق اُس نے میری دلچسپی اور معلومات کے لیے دولت گنج کے اس قدر چکر لگائے۔۔۔ ہے نا۔۔۔ مُجھے صرف زبیدہ نامی اُس عورت سے ہمدردی ہے جو ارشاد کے بعد رضوان نامی ایک پُراسرار آدمی کے اشاروں پر کھیل رہی ہے۔ کہو کیا یہ سب باتیں مُجھے ارشاد کے قتل کے سِلسِلہ میں مشکوک بنانے کے لیے کُچھ کم ہیں۔ مگر تُم کیا سمجھو گے ان سب باتوں کو۔۔۔!"

آصف تقریباً مبہوت سا ہو کر انور کی یہ باتیں سُنتا رہا۔ پھر جیسے کسی خیال سے چونکتے ہوئے ایک دم بول اٹھا۔ "نہیں یہ سب غَلَط ہے ایک دم غَلَط۔۔۔ عین مُمکن ہے کہ رشیدہ بھی اُس پر اسرار سازش کا ایک مہرہ ہو۔ شاہد نے آج صُبح ٹیلی فون پر مُجھے سب کُچھ بتا دیا ہے۔"

"ٹیلی فون پر۔۔۔ آج صُبح؟" انور حیرت زدہ ہوتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا اور پھر کُچھ سوچ کر بولا۔ "کتنے بجے ٹیلی فون کیا تھا اُس نے؟"

"دس بجے۔"

یہ سن کر انور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر چند سیکنڈ کے بعد چونکتے ہوئے بولا۔

"تعجّب ہے کہ اُس نے کل رات ہی کو تمہیں اپنے شُبہے سے کیوں نہیں مطلع کیا۔ وہ آج دس بجے تک سوچتا رہا۔"

"واقعی یہ چیز قابلِ غور ہے۔" آصف نے کہا۔ "اچھّا میں اُس سے ملنے کی کوشش

کروں گا۔"

"شاید اب تم اُس کی گرد کو بھی نہ پا سکو۔"

"کیوں؟"

"اگر ایسا ہوتا تو وہ فون کرنے کے بجائے خود تم سے ملتا۔" انور نے کہا۔

"ارے چھوڑو بھی ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ اُس کے باپ تک کو قبر سے نکال لاؤں گا۔" آصف نے فخریہ انداز میں کہا۔

"کفن گھسوٹی کے علاوہ اور تم کو آتا ہی کیا ہے۔" انور نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

"خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ میں تم سے پھر ملوں گا۔" آصف نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"سو روپوں کا اور تم انتظام کر کے آنا۔" انور نے کہا۔

آصف جا چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد رشیدہ اٹھ کر انور کے پاس آئی۔

"کیاپوچھ رہاتھا؟" رشیدہ نے کہا۔

"کہہ رہاتھا کہ تم رشیدہ سے شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

"پھر تم نے کیا کہا۔۔۔؟" رشیدہ نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے کہافی الحال مالی مشکلات میں مبتلا ہوں۔ شادی کا انتظام کہاں سے کروں گا۔ اس پر وہ سو روپے مُجھے دے گیا ہے۔ لو انہیں اپنے پاس رکھو۔" انور نے کہا اور نوٹ رشیدہ کو دے دیے۔

"ٹھیک بتاؤ۔۔۔ یہ روپے تمہارے پاس کہاں سے آئے؟"

"چور کی گرہ کاٹ لی۔" انور مُسکرایا۔

"یعنی۔۔۔؟"

"آخر اُس کی حرام کی کمائی میں میرا بھی تو حصّہ لگنا چاہیے۔"

"اوہ۔۔۔!" رشیدہ مُسکرا کر بولی۔ "کہیں یہ لوگ تمہیں قتل نہ کرادیں۔"

”تمہیں اس سے کیا؟“ انور نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اچھّا میں اب جارہاہوں۔ واپسی پر میرے لیے سگریٹ کاڈبّہ اور دوایک کتابیں خرید لینا۔“

”کہاں جارہے ہو۔ میں بھی چلوں گی۔“

”ذرا تتلا کر کہا ہوتا۔“ انور طنزیہ انداز میں بولا۔ ”گودی میں چلو گی یا انگلی پکڑ کر پاؤں پاؤں؟“

رشیدہ جھینپ گئی اور انور اُسے گھورتا ہوا باہر چلا گیا۔ وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا شاہد کے دفتر کی طرف جارہا تھا۔

آفس میں پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ وہ کل بارہ بجے کے بعد سے آفس نہیں آیا۔ انور نے اُس کے گھر کا پتہ معلوم کیا اور وہاں پہنچا۔ گھر میں اُس کی بیوی اور بوڑھی ماں موجود تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ شاہد کل آفس گیا تھا لیکن اس کے بعد سے گھر نہیں آیا۔

”اور آپ لوگوں کو اس سے پریشانی نہیں ہوئی؟“ انور نے اُس کی بیوی سے

پوچھا۔

”غالباً وہ کسی کاروباری ضرورت سے شہر سے باہر چلے گئے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ بغیر اطلاع چلے گئے ہیں۔ اس لیے ہمیں کوئی خاص پریشانی نہیں ہے۔“

وہاں سے واپسی پر انور اس واقعے کے متعلّق ایک بالکل ہی نئے زاویے سے سوچ رہا تھا۔

کُچھ نئی باتیں

سات بج گئے تھے انور جلدی سے گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ اُسے بہت کُچھ سوچنا تھا۔ بالکل ہی الگ راستے پر۔ شاہد کے عجیب و غریب رویّے نے اُس کے ذہن کو بُری طرح اُلجھا دیا تھا۔ آخر وہ غائب کیوں ہو گیا۔ دو بجے رات اُس کے گھر آ کر رشیدہ کو دھمکیاں دینے کا کیا مطلب تھا۔ اُس نے انسپکٹر آصف سے فون پر کیوں گفتگو کی۔ بذاتِ خود کیوں نہیں ملا۔ انور انہیں خیالات میں ڈوبا ہوا بازار سے گزر رہا تھا کہ اُسے رشیدہ ایک بُک سٹال سے کتابیں خریدتی ہوئی دِکھائی دی۔ انور بک سٹال کے زینوں پر چڑھنے لگا۔ ابھی وہ دروازے ہی میں تھا کہ ایک برقعہ پوش عورت

ہاتھ میں کُچھ کتابیں دبائے ہوئے اندر سے نکل کر فٹ پاتھ پر اتر گئی۔ انور پلٹ پڑا۔ اُس کی نظریں اُس عورت کے پیروں پر تھیں۔ وہ اُس کے سینڈل دیکھ کر چونک پڑا۔ اندر سے رشیدہ نے اُسے آواز دی لیکن وہ اُس کی پرواہ کئے بغیر زینوں سے اتر کر برقعہ پوش عورت کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ کُچھ گھبرائی ہوئی سی نظر آرہی تھی۔ اُس نے دو ایک بار پلٹ کر انور کی طرف دیکھا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ایک طرف چلنے لگی۔ انور اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اُس نے پھر پلٹ کر دیکھا اور انور کو اب بھی اپنے پیچھے دیکھ کر رفتار تیز کر دی اور پھر اچانک وہ سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی ایک ٹیکسی کا دروازہ کھول کر قریب قریب اُس کے اندر گِر ہی پڑی۔ اُس نے کُچھ کہا۔۔۔ انجن میں ہلکی سی آواز پیدا ہوئی اور ٹیکسی چل پڑی۔ اُس سے کُچھ فاصلے پر ایک ٹیکسی اور کھڑی ہوئی تھی۔ انور بے تحاشہ اُس کی طرف بڑھا۔

"اُس ٹیکسی کے پیچھے چلو۔" انور ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا بولا۔ وہ دروازہ بند کرنے ہی جارہا تھا کہ رشیدہ بھی دھنس پڑی۔

"کیا ہے۔۔۔ کیا ہے؟" انور جھلّا کر بولا۔

"کُچھ نہیں۔۔۔!" رشیدہ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کرتی ہوئی پُر اطمینان لہجے میں بولی۔

ٹیکسی چل پڑی۔

انور بیزاری سے سامنے دیکھتا رہا۔ اُس کے ہونٹ کے گوشے ٹھوڑی کی طرف جھک گئے تھے۔ رشیدہ ایسے بے نیاز انداز میں بیٹھی تھی جیسے انور سے اُس کی جان پہچان ہی نہ ہو۔

"آخر تم بعض اوقات اتنی احمق کیوں ہو جاتی ہو؟" انور نے کہا۔

"اُس ٹیکسی میں کون ہے؟" رشیدہ ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"میری نانی۔"

"تو وہ میری کون ہوئی؟" رشیدہ نے بھولے پن کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ انور

اُسے تیز نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

"اب تم لڑکیوں کے پیچھے دوڑنے لگے ہو۔" رشیدہ نے کہا۔ "اور کیوں نہ ہو، وہ تھی بھی کافی خوب صورت۔"

"اچھّا۔۔۔!" انور زہریلے انداز میں بولا۔ "اِسی لیے تم میرے پیچھے لگ گئی ہو۔ تم نے ایک پیشہ ور بیوی کو مات کر دیا۔ دیکھو ہم دونوں صرف دوست ہیں اور بس۔۔۔!"

"تم کمینے ہو۔" رشیدہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر بولی۔

انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی نگاہیں بدستور سامنے والی ٹیکسی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ٹیکسی مے پول ہوٹل کے سامنے رُک گئی۔ برقعہ پوش لڑکی اتر کر اندر چلی گئی۔ انور نے بھی ٹیکسی رکوائی اور چھپتا ہوا اُس کے تعاقب میں آگے بڑھا۔ رشیدہ اُس کے پیچھے تھی۔ لڑکی کاریڈور ہی میں تھی کہ انور نے اُسے جالیا۔

"زبیدہ۔" وہ آہستہ سے بولا۔ لڑکی سہم کر رُک گئی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا اور

چہرے پر سے نقاب الٹ دی۔

"کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟"

"اپنے کمرے میں چلو۔" انور تحکمانہ لہجے میں بولا۔

"وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور کیل سے کنجی اُتار کر دروازہ کھولا اُس کے پیچھے انور اور رشیدہ بھی کمرے میں داخل ہوئے۔ لڑکی نے سوئچ آن کر کے دروازہ بند کر دیا اور خوفزدہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہاں تمہیں اس ہوٹل میں رضوان نے منتقل کیا ہے۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ میں خود چلی آئی ہوں۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"نہیں بتاؤں گی۔ تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے؟"

"بے وقوف لڑکی۔۔۔ ابھی پولیس تم سے واقف نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ

اس سے پہلے ہی یہ معاملہ ختم ہو جائے، مُجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"مُجھے ہمدردی سے نفرت ہو گئی ہے۔" زبیدہ جھلّا کر بولی۔

"ضد اچھّی نہیں ہوتی۔" انور نے کہا۔ "رضوان کو تارجام کی پولیس نے حراست میں لے لیا ہے۔"

"لے لیا ہو گا۔ مُجھے کسی بات سے دلچسپی نہیں رہ گئی۔"

"شاہد کو جانتی ہو؟" انور نے پوچھا۔

"شاہد کو۔۔۔ کون شاہد۔۔۔؟ اوہ کل۔۔۔!" وہ کُچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ دفعتاً کسی نے دروازے کو دھکا دیا اور ایک کاغذ کا پرزہ دروازے سے اندر آ گرا۔ انور نے جھپٹ کر کاغذ اٹھا لیا جس پر لکھا تھا۔

"خبردار ایک لفظ بھی منہ سے نکلنے نہ پائے۔"

وہ جلدی میں اس ٹکڑے کو وہیں پھینک کر باہر نکل گیا۔ کاریڈور سنسان پڑا تھا۔

وہ تیزی سے نیچے اُترا۔ کافی دیر تک چھان بین کرتا رہا مگر کوئی سُراغ نہ مل سکا۔ آخر تھک ہار کر وہ پھر زبیدہ کے کمرے میں لوٹ آیا۔ یہاں زبیدہ ایک کرسی پر آنکھیں پھاڑے بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔

رشیدہ اُسے تحیّر آمیز نظروں سے گھور رہی تھی۔

"وہ کون تھا۔۔۔؟" انور نے تند لہجے میں پوچھا۔ زبیدہ چونک کر اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"میں نہیں جانتی۔" اُس نے تیز سرگوشی میں کہا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ خواب میں بول رہی ہو۔ "خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ اگر تم نہیں بتانا چاہتیں تو میں نہیں پوچھوں گا۔" انور نے کہا۔

"لیکن کم از کم یہ تو بتا ہی دو کہ تم یہاں کیوں چلی آئیں؟"

"میں پھر بتاؤں گی۔۔۔ اس وقت میرا دماغ ٹھیک نہیں۔"

"اور تم یہاں خطرے میں بھی ہو۔" انور نے کہا۔

"کیوں؟" زبیدہ چونک کر بولی۔

"یہ تم مُجھ سے بہتر سمجھ سکتی ہو۔" انور نے کہا۔ زبیدہ بے بسی سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تمہارا یہاں سے ہٹ جانا بہتر ہے۔ چلو میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دوں۔" انور نے کہا۔

"چلو۔۔۔!" زبیدہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "لیکن میں تمہیں کُچھ نہ بتاؤں گی چاہے میری کھال ادھیڑ دو۔۔۔ چاہے پھانسی پر چڑھا دو۔"

"میں کُچھ نہیں پوچھوں گا۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔ نہ جانے کیوں اُس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈے آرہے تھے۔

رشیدہ نے اُسے تحیّر آمیز انداز میں دیکھا۔ انور منہ پھیر کر اپنی حالت پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ خاموشی سے نکلے اور ایک ٹیکسی کر کے ایک طرف روانہ ہو

گئے۔

انور نے اُس کا انتظام ایک چھوٹے سے غیر معروف ہوٹل میں کر دیا اور گھر لوٹ آیا۔ رشیدہ اس دوران میں کُچھ بولی نہیں۔ انور کا ذہن خیالات میں اُلجھا ہوا تھا۔
"آج خلافِ توقّع تم بہت زیادہ انسان نظر آرہے ہو۔" رشیدہ نے کہا۔

انور صرف اُس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"سچ بتاؤ کیا تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں چھلک آئے تھے؟" رشیدہ مُسکرا کر بولی۔

"تو پھر۔۔۔ مُجھے اُس سے ہمدردی ہے، پہلے وہ اپنے ظالم چچا کے ہاتھوں پریشان رہی۔ پھر اُسے دو آوارہ آدمی نکال لائے اور اب وہ ایک قاتل اور سازشی کے ہاتھوں کٹھ پُتلی بن کر رہ گئی ہے۔ انسان کتنا مجبور ہے۔ ایک عظیم تاریکی میں رینگتا ہوا یہ حقیر کیڑا کس طرح دوسروں کا پابند ہے اور دوسرے اس کے پابند ہیں۔ نہ جانے کب یہ بے بسی ختم ہوگئی اور یہ تاریکی دور ہو گی۔"

”واقعی تم اس وقت فلسفیوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔“ رشیدہ مُسکرا کر بولی۔

”آخر تمہیں ساجدہ سے کیوں ہمدردی نہیں۔ وہ بے چاری بھی تو بیوہ ہو گئی؟“

”اُس کے پاس اتنے قیمتی زیورات ہیں کہ وہ زندگی بھر کسی کی محتاج نہیں ہو سکتی۔“ انور نے کہا۔

”اونہہ ہو گا۔“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ ”مگر تم میرے لیے ہمیشہ وحشی اور درندے بنے رہو گے؟“

”تم بھی آزاد ہو۔ کسی کی پابند نہیں۔ تمہاری قسمت کسی دوسرے سے وابستہ نہیں ہے۔“

انور نے کہا اور کُچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔ ”بڑی غَلَطی ہوئی۔“ وہ ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

”کیا ہوا۔۔۔؟“

"میں وہ کاغذ کا پرزہ وہیں چھوڑ آیا۔"

"بڑے عقل مند بنے تھے۔" رشیدہ قہقہہ لگا کر بولی۔

انور اُسے غصّہ بھری نظروں سے گھورنے لگا۔

"لو میلے۔۔۔ گُڈّے۔۔۔ میاں۔۔۔ لوتے نہیں۔" رشیدہ منہ بنا کر تتلاتی ہوئی بولی اور جیب سے کاغذ کا ٹکڑا نکال کر انور کے سر پر رکھ دیا۔

انور نے اُسے جیب میں رکھ لیا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"اُفّوہ۔۔۔ نو بج گئے اور ہم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

"کیوں؟"

"میری خوشی۔"

"تمہیں کھانا پڑے گا۔"

"او بابا۔۔۔ جاؤ یہاں سے، مُجھے سوچنے دو۔"

"نہیں سوچنے دوں گی۔" رشیدہ نے کہا اور اُس کی ٹائی پکڑ کر اُسے اٹھا دیا۔

"دیکھو میں نے تمہیں کئی بار سمجھایا۔" انور چِڑ کر بولا۔

"ایک بار اور سمجھا دو۔"

انور نے رشیدہ کے گھنگھریالے بال اپنی مُٹھّی میں جکڑ کر دو تین جھٹکے لگا دیے۔ رشیدہ کی ہلکی ہلکی چیخیں نکل گئیں۔ وہ بسور بسور کر انور کو گھورتی رہی اور انور میز پر سر اوندھا کر کے بیٹھ گیا۔

"میں کھانا کھانے جا رہی ہوں۔ اس کے بعد فلم دیکھنے جاؤں گی۔ سُنا تم نے۔۔۔ کمینے وحشی۔۔۔ درندے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

انور نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اُس کاغذ کے پرزے کو میز پر رکھے گھور رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک خیالات میں ڈوبا رہا۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ انور نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ انسپکٹر آصف اندر داخل ہوا۔

وہ آتے ہی نہایت بے تکلّفی سے آرام کرسی میں گر گیا۔

"بھئی چائے پلواؤ۔" آصف اپنی ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے بولا۔

"اچھّا۔۔۔ کیا یہ کوئی ہوٹل ہے۔۔۔یا۔۔۔!"

"تمہاری گلہری کہاں گئی۔۔۔ کیا وہ اس وقت اتنا بھی نہ کر سکے گی؟"

"تو کیا تم اسی طرح اپنے سو روپے وصول کرو گے؟" انور نے کہا۔ "اچھّا کل سے کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھانا۔"

"یار تم ہمیشہ اوٹ پٹانگ ہانکتے رہتے ہو۔"

"اچھّا اب تمہاری شان میں قصیدے پڑھا کروں گا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔" آصف جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"یہ حقیقت ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "رشیدہ تو جھگڑ کر فلم دیکھنے چلی گئی ہے

اور روپے اُسی کے پاس ہیں۔"

"تو پھر اب تم کیا کرو گے۔"

"پاؤ بھر شکر پھانک کر ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی لوں گا۔ اس سے رات کو خاصی اچھّی نیند آتی ہے۔"

"چہ چہ۔۔۔!" آصف متاسفانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "تم نے اپنی زندگی برباد کرلی۔ میں اکثر افسوس کرتا ہوں۔ اتنا ذہین اور قابل آدمی ایسی واہیات زندگی بسر کررہاہے۔"

"شکریہ۔۔۔ شکریہ۔۔۔ ایسی باتیں کسی دسویں درجہ کے طالب علم کے لیے اٹھا رکھو۔"

"اچھّا اچھّا اٹھو چلو۔۔۔ میں نے بھی ابھی کھانا نہیں کھایا۔" آصف نے اٹھنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں شکریہ۔" انور نے بے رُخی سے کہا۔ "تم جس کام کے لیے آئے ہو کہہ

"چلو۔"

"میں ایک دلچسپ خبر لایا ہوں۔"

"وہ یقیناً غیر دلچسپ ہو گئی۔"

"خیر ہو گی۔" آصف جلدی سے بولا۔ "اُس ہیرے کی کان کے متعلّق تمہارا کیا خیال ہے؟"

"فراڈ۔۔۔چار سو بیس۔۔۔!" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"آج میں یہیں تین ایسے آدمیوں کا پتہ لگایا جو اُس کان میں اپنا روپیہ لگائے ہوئے تھے اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ارشاد انہیں کُچھ تھوڑا بہت منافع بھی دے چکا تھا۔ اور یہ بات تو جانتے ہی ہو کہ جو تھوڑے بہت ذرّات اُس کان سے نکلے تھے اُن کی قیمت ہی کیا ہو سکتی ہے پھر یہ منافع کہاں سے آئے گا۔ اور پھر سیٹھ اطہر کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ اُس کان کے صرف تین حصّے دار تھے۔ ارشاد، دھارا سنگھ اور وہ خود۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ارشاد اُن

سب کا روپیہ ہضم کرتا رہا۔"

"میرے لیے یہ اطلاع بہت پرانی ہو چکی ہے۔" انور خشک لہجے میں بولا۔

"خیر خیر۔۔۔!" آصف جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "دوسری اطلاع پر تُم یقیناً اُچھل پڑو گے۔"

"اُچھلنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ خیر بیان کرو۔"

آصف نے جیب سے ایک ٹائپ کیا ہوا کاغذ نکال کر انور کی طرف بڑھایا۔ انور اُسے لے کر پڑھنے لگا۔

"پیارے ارشاد!

اب عزّت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں نے تمہاری ضرورت پر تمہیں بیس ہزار روپے دیے تھے۔ میں شاہد کو ابھی تک اِسی دھوکے میں رکھا کہ روپے میرے پاس محفوظ ہیں۔ مگر وہ اب شدّت سے تقاضا کر رہا ہے جس طرح مُمکن ہو روپے مہیّا کرو۔ اُسے شاید ہمارے تعلقات پر بھی شُبہ ہو گیا ہے۔ بدھ کے دِن وہ کہیں

باہر جارہا ہے۔ میں تمہیں اُس دِن تارجام میں ملوں گی تم روپے مہیّا کر کے وہاں موجود رہنا اور کیا لکھوں۔ کل میرے ماتھے پر سخت چوٹ آگئی ہے، بہت تکلیف ہے، اچھّا تو اب تارجام میں ملاقات ہو گی۔"

نیچے کسی کے دستخط نہیں تھے۔ انور خط ختم کرنے کے بعد آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا سمجھے ؟" آصف مُسکرا کر بولا۔

"تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ خط شاہد کی بیوی کا ہے ؟" انور نے کہا۔

"قطعی میں نے اُس کے ماتھے پر آج پٹی بندھی ہوئی دیکھی ہے۔" آصف نے مُسکرا کر کہا۔

"لیکن تمہیں یہ خط ملا کہاں سے ؟"

"ارشاد کے گھر میں۔ آج صُبح میں نے اُس کے گھر کی تلاشی لی تھی۔"

"بڑا احمق تھا کہ ایسے خط کو جس سے اُس کے اور شاہد کی بیوی کے جنسی تعلقات ثابت ہوتے ہیں اپنی بیوی کو نظر پڑنے کے لیے گھر میں ڈال گیا۔"

"اتّفاقات ہیں۔"

"اس کاغذ پر کسی قسم کے نشانات بھی ملے؟" انور نے پوچھا۔

"اگر نہ ملتے تو میں اس خط کو اہمیّت ہی کیوں دیتا۔ یہ دیکھو ایک تو یہ نشان کتنا واضح ہے شاید انگلی میں تیل یا کوئی دوسری چکنی چیز لگی ہوئی تھی۔ یہ نشان شاہد کی بیوی کی انگلی کا ہے۔"

"اس کے علاوہ کوئی اور نشان؟" انور نے پوچھا۔

"نہیں اور کوئی نشان نہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ یہ خط ارشاد کے ہاتھ ہی نہیں لگا ورنہ اُس کی انگلیوں کے نشانات اس پر ضرور ہوتے اور یہ کاغذ اس قسم کا ہے کہ اس پر ہلکی گرفت بھی خاصے اچھّے نشانات چھوڑ سکتی ہے۔ اگر یہ خط ارشاد کے ہاتھ نہیں لگا تو اس کا یہ

مطلب کہ وہ اُس کے گھر ہی کے پتہ پر آیا جو قطعی ناممکن ہے۔ ایک ایسا خط جس میں اس قسم کے تعلقات کا اعتراف ہو، اتنی لاپروائی سے نہیں بھیجا جا سکتا۔ اچھّا ایک دوسری بات۔۔۔ اور اگر یہ خط ارشاد کے ہاتھوں تک نہیں پہنچا تو وہ پروگرام کے مطابق تار جام کیسے پہنچ گیا۔ اور دھارا سنگھ وغیرہ سے بیس ہزار کا تقاضا کیا۔"

"یار تم ہمیشہ معاملے کو اُلجھا دیتے ہو۔" آصف منہ سکوڑ کر بولا۔

"تم معاملہ ہی ایسا لاتے ہو جو خواہ مخواہ الجھ جاتا ہے۔" انور مُسکرا کر بولا۔ "غالباً تم نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ارشاد اور شاہد کی بیوی کے جنسی تعلقات تھے، ارشاد نے اُس سے بیس ہزار روپے قرض لیے جو اُس نے شوہر سے چھپا کر ارشاد کو دیے تھے۔ اس دوران میں شاہد کو اُن کے تعلقات کا علم ہو گیا اور دھارا سنگھ کو اس بناء پر قتل کیا گیا کہ اُسے خودکشی میں شُبہ ہی نہیں تھا بلکہ اُس نے کُچھ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا تھا۔"

”قطعی۔۔۔!“ آصف خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ ”میں نے یہی رائے قائم کی ہے۔“

”تواب تم اس خیال کو دِل سے نکال دو۔ ورنہ بچّوں کی تفریح کے لیے کسی عجائب خانے میں رکھ دیے جاؤ گے۔“ انور مُسکرا کر بولا۔

”لیکن یہ خط۔۔۔؟“ آصف جھنجھلا کر بولا۔

”کوئی ان بے چاروں کو خواہ مخواہ پھنسانا چاہتا ہے۔“ انور نے کہا۔ ایک سادے کاغذ پر اگر اتّفاق سے میری انگلیوں کے نشانات پڑ جائیں تو تم اسے حاصل کر کے میری طرف سے اُن پر ایران کے وزیر اعظم رزم آرا کے قتل کا اقرار نامہ ٹائپ کر ڈالو تو کیا میں محض اس بناء پر رزم آرا کا قاتل قرار دیا جاؤں گا کہ اس کاغذ پر میری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔ عقل کے ناخن لو میاں انسپکٹر مگر اللہ نے تمھیں ناخن دیے ہی نہیں۔“

آصف جھینپ کر اپنی گنجی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ ”اونہہ ہو گا۔۔۔!“

آصف اُکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”میں شاہد کی بیوی کا وارنٹ گرفتاری نکلوا رہا ہوں۔“

”شوق سے، لیکن تمہیں صرف مایوسی ہو گی۔“

”تو پھر شاہد غائب کیوں ہو گیا؟“ آصف نے کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ کسی کام کے لیے باہر چلا گیا ہو۔ وہ اکثر اسی طرح گھر میں اطلاع دیئے بغیر باہر چلا جاتا ہے۔“

”یہ بات کسی طرح حلق سے نہیں اُترتی۔“ آصف بولا۔

”تو ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی کر آرام سے سو رہو۔“

آصف خاموش ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر بیزاری کے آثار پھیل گئے تھے۔ وہ تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ آج انور اُس کی عظمت کا ضرور قائل ہو جائے گا۔ مگر اُس نے تو بساط ہی اُلٹ دی۔

”تار جام کی کوئی نئی اطلاع؟“ انور نے پوچھا۔

”رضوان اب واپس آ گیا ہے، وہاں کی پولیس اُس سے مطمئن ہو گئی ہے، اب سیٹھ اطہر حراست میں ہے اور کُچھ تعجّب نہیں کہ تمہاری طرف بھی حملہ ہو، وہاں پولیس نے تمہارے اور ساجدہ کے گزشتہ تعلّقات کے متعلّق معلومات فراہم کر لی ہیں۔“

”جس دِن ایسا ہوا اُسی دِن تار جام کے کوتوالی انچارج صاحب سر کے بل کھڑے مُرغے کی بولی بول رہے ہوں گے۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں آں۔۔۔!“

”اور اُس عورت کا کیا ہوا؟ جس کے متعلّق وہاں کی پولیس رضوان سے معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی؟“ انور نے پوچھا۔

”اس پر کُچھ زیادہ زور نہیں دیا گیا اور یہ چیز کُچھ ایسی بھی نہیں معلوم ہوتی۔“ آصف نے کہا۔

”رضوان کے متعلّق تمہارا کیا خیال ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”پہلے ضرور مشتبہ تھا مگر اب اس خط کی موجودگی میں۔۔۔“ آصف کُچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

”اس خط کی موجودگی میں تم شاہد اور اُس کی بیوی کو پھانسی پر چڑھوا دو گے؟“ انور بیزاری سے بولا۔

”آخر تم شاہد کے حق میں کیوں بول رہے ہو۔ جب کہ اس نے تمہیں پھنسوانے کی کوشش کی تھی؟“ آصف نے کہا۔

”میں اُس کے حق میں نہیں بول رہا ہوں۔ بلکہ اُس معاملے پر ہر پہلو سے غور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

”تم اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہو؟“ آصف نے کہا۔

”یقیناً۔۔۔! یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے۔ میرا پیشہ یہی ہے۔ میں یہاں کے جرائم میں دلچسپی نہ لوں گا تو کیا اس کے لیے مہاتما بُدھ دوبارہ پیدا ہوں گے؟“

"تم انتہائی عیّار آدمی ہو۔ میں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں۔"

"کیوں۔۔۔؟" انور نے کہا۔

"تمہارے اور ساجدہ کے گزشتہ تعلقات۔۔۔!" آصف کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور گزشتہ کیوں؟ مُمکن ہے اب بھی قائم ہوں؟"

"بہت مُمکن ہے۔" انور اُسکی آنکھوں میں دیکھ کر شرارت آمیز مُسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"تمہاری تہہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔" آصف نے کہا۔

"یقیناً مشکل ہے۔" انور نے کہا۔ "مگر تم تہہ تک پہنچنے کی کوشش سے باز نہیں آتے۔ جب بھی یہاں کوئی خاص قسم کا کیس ہو جاتا ہے تم میری تہہ تک پہنچنے میں مشغول ہو جاتے ہو اور میں اُس جرم کی تہہ تک پہنچ کر کوڑیاں اور گھونگے بٹور لاتا ہوں۔ کوڑیاں خود رکھ لیتا ہوں اور گھونگے تم سمیٹ لے جاتے ہو۔ آخر ہو نہ گھونگے۔"

"کہہ لو برخوردار۔۔۔!" آصف بزرگانہ انداز میں بولا۔ "تم یہ بھی نہیں دیکھتے کہ میں عمر میں تم سے کتنا بڑا ہوں۔"

انور بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں رشیدہ آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے ہاتھ میں ناشتہ تھا۔

"تمہارا کھانا۔" اُس نے ناشتہ دان میز پر رکھتے ہوئے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔

"تم کہہ رہے تھے کہ فلم دیکھنے گئی ہے؟" آصف بولا۔

"نہ گئی ہو گی۔" انور لاپروائی سے بولا۔

آصف نے اٹھ کر ناشتہ دان کے ڈبّے نکالے اور انہیں میز پر پھیلاتا ہوا بولا۔ "آؤ بھئی۔"

"خیر وہ سو روپے حلال کئے بغیر میں خود نہ کھاؤں گا۔" انور نے اپنی کرسی میز کے

قریب کھسکاتے ہوئے کہا۔

دونوں کھانے میں مشغول ہو گئے۔

"تم آخر اِس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟" آصف نے کہا۔

انور منہ چلاتے چلاتے رُک کر اُسے گھورنے لگا۔ آصف سر جھکائے بولتا رہا۔ "دنیا اس قسم کے معاملات کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتی ہے اور یہ ہے بھی بُری بات، لاکھ تُم اُسے بہن سمجھتے ہو مگر دُنیا۔۔۔!"

"میں اُسے قطعی بہن نہیں سمجھتا۔" انور بگڑ کر بولا۔ "تم لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"مگر وہ رشیدہ کے بجائے رشید ہوتی تو کیا میں اُسے بھائی سمجھتا؟ دُنیا۔۔۔ دُنیا۔۔۔ کیا رٹ رہے ہو۔"

"میں بھی اس دُنیا کا ایک فرد ہوں اور میں نے کبھی خود کو مشکوک نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ کھانا کھاؤ کھانا۔ یہ مسائلِ تصوّف نہیں ہیں کہ تم آسانی سے سمجھ

لو۔"

"خیر بھئی تمہاری مرضی۔ سمجھانا میرا فرض ہے۔" آصف نے اپنے حلق میں پھنسے ہوئے نوالے کو پانی سے دھکیلتے ہوئے کہا۔

رضوان کی دھمکی

آصف کے چلے جانے کے بعد انور دروازہ بند کرنے کے لیے اُٹھ ہی رہا تھا کہ رشیدہ پھر گھُس آئی۔

"یہ لو اپنے روپے۔" اُس نے کئی نوٹ انور کے مُنہ پر پھینک مارے اور جانے کے لیے مُڑی۔ انور نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔

"کیا بگڑ گئیں؟" اُس نے انتہائی رومانٹک انداز میں پوچھا۔

"چھوڑو۔۔۔!" وہ بیزاری سے بولی۔ "میں نہیں بات کرتی وحشیوں سے۔"

”تو تم نے یہ روپے کیوں واپس کر دیے؟“

”میری خوشی۔۔۔ میں نہیں رکھنا چاہتی۔“

”تو اب مزاج سیدھے نہیں ہوں گے؟“ انور تیز لہجے میں بولا۔

”نہیں۔۔۔!“ وہ اُس سے سخت لہجے میں بولی۔

”تم شاید یہ سمجھتی ہو کہ مُجھے تم سے عشق ہے؟“ انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ”میں ساری رات تڑپ تڑپ کر گزار دوں گا؟“

”نہیں میں یہ سمجھتی ہوں کہ تم خود غَلَط فہمی میں مبتلا ہو۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم پر کئی ہزار جان سے عاشق ہوں۔ ذرا اپنی صورت تو دیکھو۔“ رشیدہ نے کہا اور ہاتھ چھُڑا کر باہر چلی گئی۔

انور نے اس انداز سے دروازہ بند کر لیا جیسے وہ اُس کی تعریف کر کے گئی ہے۔ اُس کے چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔ وہ پھر میز کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ جیب سے وہی کاغذ کا پُرزہ نکالا اور اُس پر نظریں جما دیں۔ میز کی دراز کھول

کر اُس میں کُچھ کاغذات اور نکالے۔ ابھی وہ انہیں میز پر رکھ بھی نہ پایا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

”کون ہے؟“ انور جھنجھلا کر چیخا۔

”رضوان۔۔۔!“ باہر سے آواز آئی۔ انور نے گھڑی دیکھی۔ گیارہ بج رہے تھے۔ اُس نے کاغذات پھر میز کی دراز میں رکھ دیے اور اُٹھ کر دروازہ کھولتے ہوئے کُچھ بڑبڑایا۔

رضوان کے ساتھ ساجدہ بھی تھی۔ انور ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ دونوں کمرے میں آئے۔

انور انہیں استفہامیہ نظروں سے گھور رہا تھا۔

”تم نے مُجھے اُس لڑکی کے بارے میں کیوں نہیں بتایا تھا۔۔۔؟“ ساجدہ نے انور سے پوچھا۔

”کیوں بتاتا۔“ انور بولا۔

ساجدہ خاموش ہو گئی۔ وہ تنفّر آمیز انداز میں مُنہ بنائے کھڑی تھی۔ رضوان ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور اُس نے ساجدہ کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اُس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت کسی قسم کے تکلّفات کے لیے تیّار نہیں۔

"میں زبیدہ کا پتہ پوچھنے کے لیے آیا ہوں۔" رضوان انور کو گھورتا ہوا بولا۔

"اچھّا جی۔" انور شانوں کو جُنبش دے کر بولا۔

"زبیدہ کہاں ہے؟" رضوان نے پھر پوچھا۔

"اس کوٹ کی جیب میں۔" انور نے کھونٹی پر لٹکے ہوئے کوٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اس کا نتیجہ اچھّا نہ ہو گا۔" رضوان گرج کر بولا۔

"آہستہ بولو۔ پڑوس کے لوگوں کی نیند میں خلل پڑ جائے گا۔" انور نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

”میں دوسرا طریقہ بھی استعمال کر سکتا ہوں۔“ رضوان سخت لہجے میں بولا۔

”تیسرا چوتھا اور پانچواں بھی استعمال کر سکتے ہو۔“ انور نے لاپروائی سے کہا اور دھوئیں کے ہلکے ہلکے دائرے منہ سے نکالنے لگا۔

”تم آخر بتا کیوں نہیں دیتے؟“ ساجدہ بولی۔

”کیوں؟ تمہیں اُس سے کیا دلچسپی۔۔۔!“

”ارشاد کے کُچھ کاروباری کاغذات اُس کے پاس ہیں۔“ ساجدہ بولی۔

”خیر میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔“ انور نے کہا۔ ”میں خود اُس کی تلاش میں ہوں۔“

”کیوں۔۔۔؟“ رضوان نے چونک کر کہا۔

”اس لیے کہ میں تُم پر اغوا کا مقدمہ چلوانا چاہتا ہوں۔“ انور پُر سکون لہجے میں بولا۔

"بے کار مت بکو۔" رضوان بیزاری سے بولا۔ "اور مُجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ تم اُسے ارشاد کے سر کیوں منڈھنا چاہتے تھے جب کہ یہ اچھّی طرح جانتے تھے کہ وہ اُس سے شادی نہیں کرے گا اور دوسری چیز یہ کہ جو بات تم نے پولیس سے چھپائی تھی ساجدہ پر کیوں ظاہر کر دی اور سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ساجدہ کے اور تمہارے تعلّقات اِس کے بعد بھی خوشگوار نظر آرہے ہیں حالانکہ ساجدہ کو تم سے اس بناء پر متنفّر ہونا چاہیے کہ تم اُس کے شوہر کو ایک عورت کے پھندے میں پھنسائے ہوئے تھے۔"

"یہ ہمارے نجی معاملات ہیں۔ تمہیں اس سے کیا غرض۔" ساجدہ بگڑ کر بولی۔

ساجدہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی اور رضوان کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا۔ وہ اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

"دیکھو میں کہتا ہوں کہ اُس کا پتہ بتادو۔" رضوان نے کہا۔

"تم اِس سِلسِلے میں پولیس کی مدد لے سکتے ہو۔"

"تم آخر اتنے درندے کیوں ہو۔ تمہیں مُجھ پر رحم کیوں نہیں آتا۔۔۔؟" ساجدہ بولی۔

"اسے درندہ بنایا کس نے؟" دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ رشیدہ دروازے کے قریب کھڑی ہانپ رہی تھی۔

"چہ چہ۔۔۔!" انور منہ بنا کر بولا۔ "تم جا کر سو جاؤ۔"

"نہیں جاتی۔" رشیدہ گرج کر بولی اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اہلیہ محترمہ۔۔۔؟" رضوان نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔!" انور بیزاری سے بولا۔ "ہاں اور کیا بات ہے؟"

"اور کوئی بات نہیں۔"

"اچھّا۔۔۔اچھّا۔۔۔!" انور جلدی سے بولا۔ "وہ جب بھی ملے گی میں تمہیں مطلع کر دوں گا۔ اپنا پتہ لکھ دو۔ میں فلیٹ نمبر بھول گیا اور فون نمبر بھی لکھ

دینا۔"

انور نے اُس کی طرف کاغذ اور قلم بڑھا دیا۔ رضوان ہچکچایا۔ اُسے حیرت تھی کہ یک بیک انور اتنا معصوم کیوں بن گیا۔

"مگر۔۔۔ مگر۔۔۔!" رضوان نے کچھ کہنا چاہا۔

"واقعی۔۔۔! میں خود اُس کی تلاش میں ہوں۔" انور بولا۔

رضوان لکھنے لگا۔

"ٹھہرو۔۔۔!" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔

رضوان رُک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم نے اُردُو کو علاقائی زبان قرار دیے جانے والے فارم پر دستخط کیے ہیں یا نہیں؟" انور سنجیدگی سے بولا۔

"ہاں۔۔۔ کیوں۔۔۔؟"

"اور پھر بھی تمہیں انگریزی میں پتہ لکھتے ہوئے شرم نہیں آتی؟" انور شرارت آمیز مُسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" رضوان جھلّا کر بولا اور کاغذ کے ٹکڑے اُس کی طرف ڈال دیے۔

انور لاپروائی سے کوئی اثر لیے بغیر سگریٹ پیتا رہا۔

"آؤ چلیں۔۔۔!" رضوان ساجدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ ساجدہ کھڑی ہو گئی دونوں دروازے کی طرف بڑھے۔

"تمہارا دیوانہ پن یہی ہاتھ ٹھیک کریں گے۔" رضوان جاتے جاتے مُڑ کر انور کو مُکّا دِکھاتا ہوا بولا۔

"سردیوں میں دستانے استعمال کیا کرو۔ تمہارے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔" انور مُسکرا کر بولا اور داد طلب نگاہوں سے رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر رشیدہ اٹھ کر جانے لگی۔

"ٹھہرو۔" انور اپنی آواز کو بارُعب بنانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ رشیدہ رُک گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔"

"وہ بیٹھ گئی۔"

"تمہارا مُنہ کیوں پھولا ہوا ہے؟"

"تُم سے مطلب۔۔۔؟"

"اب سیدھی ہو جاؤ کھال ادھیڑ دوں گا۔"

"میرے بھی ہاتھ ہیں اور میں نے بھی ایک ہنٹر خریدا ہے۔" رشیدہ نے کہا۔ "میں سچ کہتی ہوں کسی دِن مارتے مارتے اَدھ موا کر دوں گی۔"

"شاباش شاباش۔" انور بچّوں کی طرح تالیاں بجاتا ہوا بولا۔ "میں اِس وقت تم میں ایک سچّی عورت دیکھ رہا ہوں۔ بھلا بتاؤ مردود مُجھ سے کہتے ہیں کہ میں تُم سے

شادی کر لوں۔ اگر تم میری بیوی ہوتیں تو دُم دبا کر بیٹھ جاتیں اور میں نفرت کے مارے تمہیں ایک ٹھوکر رسید کر دیتا۔ جاؤ جا کر سو جاؤ۔"

"نہیں جاتی۔" رشیدہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تم اُس سے اُردُو میں پتہ کیوں لکھوا رہے تھے؟ یہ کیا حماقت تھی؟" "حماقت۔۔۔؟" انور چونک کر بولا۔ "کیا تمہیں وہ پرچہ یاد نہیں جو کسی نامعلوم آدمی نے زبیدہ کے کمرے میں پھینکا تھا۔۔۔؟"

"اوہ۔۔۔ تو تمہیں اُس پر شُبہ تھا اور تُم تحریر ملانے کے لیے اُس سے اُردُو لکھوا رہے تھے؟"

"بہت دیر میں سمجھیں۔" انور نے کہا اور کُچھ سوچنے لگا۔ پھر رشیدہ کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"زبیدہ سے کیا باتیں ہوئیں؟"

"کیا مطلب۔۔۔۔؟" رشیدہ چونک کر بولی۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"عورت مرد سے زیادہ کھوجی طبیعت رکھتی ہے۔ تمہیں اُس سے ملے بغیر چین پڑ ہی نہیں سکتا تھا۔ تم کھانا کھانے کے بعد فلم دیکھنے کی بجائے وہاں چلی گئیں۔۔۔ خیر۔۔۔ لیکن تمہیں اس وقت وہاں نہ جانا چاہیے تھا۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ مُجرم اُس کی تلاش میں ضرور ہو گا۔" انور نے کہا۔ "خیر چھوڑو، اُس سے کیا باتیں ہوئیں؟"

"تمہارے چلے آنے کے بعد اُس نے ارشاد کے متعلّق چھان بین کی اور اُسے اصلیت کا علم ہو گیا تو دِل شکستہ ہو کر سعید منزل سے مے پول ہوٹل میں مُنتقل ہو گئی اور پھر دوسرے دِن اخبار میں ارشاد کے قتل کے متعلّق پڑھا۔ ان سب حادثات نے اُسے تقریباً مخبوط الحواس کر دیا ہے۔"

"تُم نے اُس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ پرچہ کس نے پھینکا تھا۔۔۔؟"

"اس نے کہا کہ وہ نہیں جانتی۔"

”رشو۔۔۔!“اُس نے بڑے پیار سے رشیدہ کو مخاطب کیا۔

”کیا۔۔۔؟“رشیدہ نیم باز آنکھوں سے اُسے دیکھنے لگی۔

”تم بالکل گدھی ہو۔ اگر وہ اس طرزِ تحریر کو پہچانتی نہ ہوتی تو بد حواس کیوں ہو جاتی۔“

”میں بھی اتنا سمجھتی ہوں۔“

”تو پھر تم اُس کے کہنے میں کیوں آ گئیں؟“

”وہ اِسی پر اَڑی رہی میں کیا کرتی۔“

”خیر۔۔۔اور کُچھ؟“انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

”اور کُچھ نہیں۔“ رشیدہ جماہی لیتی ہوئی بولی۔ ”یہ آصف اُس وقت کیوں آیا تھا؟“

”ایک بالکل نئی اِطّلاع لے کر، اپنی دانست میں اُس نے بڑا تیر مارا تھا۔“ انور نے

کہا اور سارے واقعات بتا دیے۔

”ممکن ہے وہ خط شاہد کی بیوی ہی کا ہو۔“ رشیدہ بولی۔

”بات کوئی جچتی نہیں۔ ایک ٹائپ کیا ہوا کاغذ جس کے نیچے دستخط بھی نہ ہوں محض انگلی کے نشان کی بناء پر اُس کا کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا خط محض راز داری ہی کے خیال سے بھیجا جا سکتا ہے۔ اچھّا اگر راز داری کے خیال سے بھیجنے والے نے ہاتھ سے لکھنے کی بجائے اُسے ٹائپ کیا اور اپنے دستخط بھی نہیں کیے تو کیا وہ ایسا احمق ہو سکتا ہے کہ اُسی خط میں ایک ایسی غَلَطی کر جائے جو ایک نا سمجھ بچّے کی نظر میں بھی اُسے راز نہ رہنے دے؟“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔“

”اُس خط میں کھُلم کھلا شاہد کا تذکرہ تھا اور وہ بھی اس انداز سے کہ ایک ننّھا سا بچّہ بھی پڑھ کر یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ شاہد کی بیوی کا خط ہے۔“

”تو تم شاہد کو مجرم نہیں سمجھتے؟“ رشیدہ نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ زبیدہ کے

کمرے میں جس وقت وہ پرچہ گرا تھا شاہد ہی کا تذکرہ ہو رہا تھا اور وہ اس پر کُچھ کہے بھی جا رہی تھی۔"

"تمہاری یادداشت بہت اچھّی ہے۔" انور بولا۔ "وہ چیز میرے ذہن میں ہے مگر میں محض اسی بناء پر کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اِس صورت میں شاید میں اُسی نتیجے پر پہنچتا۔ اگر درمیان میں یہ شاہد کی بیوی والا خط نہ ٹپک پڑتا۔"

"تو پھر اب رضوان ہی رہ جاتا ہے۔" رشیدہ نے کہا۔

"کیوں سیٹھ اطہر کیوں نہیں۔ اُسے بھی تو ارشاد کی ذات سے کافی نقصان پہنچا ہے یا اور دوسرے لوگ جن کا سرمایہ اُس ہیرے کی کان میں لگا ہوا تھا۔"

"رضوان کا نام میں ایک خاص مقصد کے تحت لے رہی ہوں۔" رشیدہ نے کہا۔ "ساجدہ فطرتاً اوباش واقع ہوئی ہے۔ مُمکن ہے رضوان سے تعلّق ہو گیا اور رضوان نے ارشاد کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے اُسے ایک عورت کے پھندے میں پھنسا کر خود ساجدہ کے ساتھ گلچھڑے اُڑانے کی راہ نکال لی ہو۔ پھر

مُستقل طور پر یہ کانٹا نکالنے کے لیے اُسے قتل ہی کر دیا ہو۔ اگر میرا خیال درست ہے تو ساجدہ بھی قتل کی سازش میں شریک معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے شہر کے ایک بہترین ماہر جرائم کی خدمات حاصل کیں۔ تاکہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ اُس کے شوہر کی دماغی حالت درست نہیں تھی۔ اس لیے اُس نے خُودکُشی کر لی لیکن بُرا ہوا اُس ماہرِ جرائم کا کہ اُس نے اس خُودکُشی کو قتل ثابت کر دیا۔۔۔!"

انور بڑے سکون سے رشیدہ کی گفتگو سن رہا تھا۔ اُس کے خاموش ہوتے ہی مُسکرانے لگا۔

"تم بہت ذہین ہو رشو۔" وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔ "لیکن میرا دِل چاہتا ہے سچ مچ تمہاری کھال اُدھیڑ دوں۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"تم نے مُجھے ایک نئی اُلجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔"

"کیسی اُلجھن؟"

”یہی کہ قاتل نے دونوں فائر چہرے پر کیوں کیے تھے؟“ انور کُچھ سوچتا ہوا بولا۔

”اِس وقت نہ جانے میرا ذہن آئینہ ہو رہا ہے۔“ رشیدہ بولی۔

”وہ تبھی میں نے تمہارے بال پکڑ کر جھٹکے جو دیے تھے۔ اگر کہو تو اور آئینہ کر دوں؟“ انور مُسکرا کر بولا۔

”بے تحاشہ باٹا کی چپل سے پیٹنا شروع کر دوں گی۔ ساری وحشت نکل جائے گی۔“

”اور یہ فلکس کے جوتے دیکھے ہیں تم نے؟“

”احتیاط سے رکھو انہیں۔ جب یہ سو روپے ختم ہو جائیں تو انہیں اُبال کر پینا۔“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ ”خیر چھوڑو میں یہ کہہ رہی تھی کہ اس دو نالی بندوق میں لگے ہوئے دونوں کارتوس چھوٹے چھروں والے تھے۔ ظاہر تھے کہ اگر وہ جسم کے کسی اور حصّے پر چلائے جاتے تو اس سے فوراً موت واقع ہوتی اور ارشاد میں زخمی ہو جانے کے باوجود بھی جدوجہد کی قوّت باقی رہتی۔ مُمکن ہے اس طرح

قاتل پکڑ لیا جاتا۔ لٰہذا اُس نے اُس کے چہرے پر فائر کر کے اُسے اندھا کر دیا اور پھر بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد اُس نے اُس کا گلا گھونٹ کر اُسے فوراً ہی ٹھنڈا کر دیا ہو۔ ابھی تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نہیں آئی۔"

"رشو! واقعی تُم اِس وقت کمال کر رہی ہو۔" انور مُسکرا کر بولا۔ "میں تمہاری عزّت نہ کرتا ہوتا تو یقیناً تُم سے شادی کر لیتا۔"

"شادی تو ساجدہ سے کرنا۔ خالی ہو گئی ہے نا۔"

"مگر ساجدہ کو تم جیل خانے بھجوا رہی ہو؟"

"اور کیا تُم بچ جاؤ گے، ایک طرح سے تُم بھی ارشاد کے قاتل ہو سکتے ہو۔"

"اوہو۔۔۔ تمہیں نہیں معلوم۔ تار جام کی پولیس میری طرف سے بھی مشکوک ہو گئی ہے۔ آصف بھی کُچھ کُچھ یہی سوچ رہا ہے۔"

"آصف کی حجامت تو کسی دِن بناؤں گی۔"

”اچھّا جاؤ۔ تمھیں اب نیند آ رہی ہے۔“

”نہیں جاتی۔“

”اچھّا جی۔۔۔!“ انور اُٹھتا ہوا بولا۔

”کیا کہا؟“

اُس نے رشیدہ کو کمرے کے باہر دھکیل کر دروازہ بند کر لیا۔

حملہ

دوسرے دِن انور بہت زیادہ مشغول رہا۔ آصف کی مدد سے اُس نے ارشاد کے دفتر کے حساب کی جانچ پڑتال کی۔ اُس کے بہتیرے کاغذ اُلٹتا پلٹتا رہا۔ پھر وہاں سے ہائی سرکل نائٹ کلب کی طرف چلا گیا۔ منیجر نے اُسے دیکھ کر نفرت سے مُنہ سکوڑ لیا۔ اُس نے اُسے بیٹھنے تک کو نہ کہا۔

"میں یہ پوچھنے آیا ہوں۔۔۔"

"میں کُچھ نہیں بتا سکتا۔" منیجر دروازہ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"نتیجے کے تُم خود ذمّہ دار ہو گے۔" انور ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"مسٹر انور۔۔۔ میرے پاس فضول وقت نہیں۔" منیجر بیزاری سے بولا۔

"میں ارشاد کے متعلّق کُچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا بتائے گا۔" ایک ادھیڑ عمر کا فیشن ایبل آدمی کمرے میں گھُستا ہوا بولا۔

"میں بتاؤں گا۔"

"کرنل صاحب۔۔۔ جناب والا۔۔۔ براہِ کرم۔"

"بکو مت۔۔۔ میں تمہاری ہی وجہ سے کنگال ہوا ہوں۔" وہ چیخ کر بولا۔

"مسٹر۔۔۔ ار۔۔۔ کرنل صاحب براہِ کرم خاموش رہیے۔"

"خاموش رہو۔" انور منیجر کو گھور کر بولا۔

"مسٹر انور۔۔۔ میں پولیس۔" منیجر فون کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

"شوق سے۔" انور لاپرواہی سے بولا۔ "پولیس مُجھ سے زیادہ اِس کیس میں دِل

چسپی لے گی۔"

منیجر بے بسی سے کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اُس کا منہ فق ہو گیا۔ ہونٹ خشک ہو چلے تھے۔

"ہاں جناب۔۔۔ اوہ۔۔۔ کرنل صاحب بیٹھ جایئے۔" انور نے کہا۔

"مسٹر انور آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟" منیجر ہانپتا ہوا بولا۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تُم خاموش بیٹھے رہو۔۔۔ ہاں کرنل صاحب؟"

"آپ ارشاد کے متعلّق پوچھ رہے ہیں۔ وہ پکّا بے ایمان تھا۔ اُس نے مُجھے برباد کر دیا۔" کرنل نے کہا۔ "اور اُس سے بھی زیادہ یہ میری تباہی کا باعث ہے۔" کرنل منیجر کو گھورتا ہوا بولا۔

"نہیں کرنل صاحب۔ منیجر بھلا آپ کی تباہی کا باعث کیسے ہو سکتا ہے؟" انور نے کہا۔

"آپ یقین کیجئے اس نے مُجھے اُس نامراد ہیرے کی کان کا حصّہ خریدنے کے لیے مجبور کیا تھا اور اسی کے ہاتھ سے مُجھے منافع بھی ملا تھا۔"

"جب آپ کو منافع بھی مل چکا ہے تو پھر اُس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟"

"ناراض کیوں ہو رہا ہوں؟" کرنل گرج کر بولا۔ "میرے دس ہزار روپے ڈوب گئے۔ اب ان کی چار سو بیس میری سمجھ میں آئی ہے۔ میرے ہی دس ہزار روپوں میں سے ایک ہزار روپے منافع کے نام پر مُجھے واپس کر دیے اور میں مطمئن ہو گیا۔ جو فرم ہر تیسرے مہینہ اپنے حصّہ داروں کو منافع بانٹتی ہو اُس کی طرف کون نہ دوڑے گا۔"

"تم اب شوق سے پولیس کو فون کر سکتے ہو۔" انور منیجر کی طرف دیکھ کر بولا اور جیب سے قلم نکال کر ایک سادہ کاغذ میز سے اٹھاتا ہوا کرنل کی طرف مخاطب ہوا۔ "ہاں کرنل صاحب آپ کا نام اور پتہ؟"

وہ کافی دیر تک کرنل سے پوچھ گچھ کرتا رہا۔ پھر منیجر کی طرف مُڑا۔

”تم نے ابھی تک پولیس کو فون نہیں کیا؟“ انور نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

”مسٹر انور۔۔۔!“ منیجر کی آواز حلق میں رک گئی۔

”پیارے منیجر۔۔۔!“ انور اُسی انداز میں بولا۔

”میں اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں۔“

”بھلا مُجھ کو صفائی سے کیا غرض۔ نہ میں حاکم نہ مجسٹریٹ۔“ انور مُسکرا کر بولا۔

”آپ سب کُچھ ہیں، میں آپ کو اچھّی طرح جانتا ہوں۔“

”اور اس کے باوجود بھی تم نے انسپکٹر آصف سے میری شکایت کی تھی۔ حالانکہ میں اُسے اپنی بوڑھی اولاد سے زیادہ نہیں سمجھتا۔“

”مسٹر انور مُجھے افسوس ہے۔“

”میں تم سے معافی نامہ لکھوانے نہیں آیا۔“ انور تیز لہجے میں بولا۔ ”تو تُم ارشاد کے کمیشن ایجنٹ تھے؟“

”نہیں۔۔۔ انہوں نے میری محنت کے صلے میں دس ہزار روپے کا حصّہ مُفت دے دیا تھا۔“

”کیسے یقین آئے گا اس پر جب کہ ہیرے کی کان کا کوئی حساب ہی نہیں ہے۔“ انور نے کہا۔

”یہ مُجھے آج کے اخبار سے معلوم ہوا ہے۔“ منیجر بولا۔

”بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ تم اس پوری سازش کے سب سے بڑے حصّے دار ہو۔“ انور نے کہا۔

”کیوں آپ مُجھے پھنسانے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ منیجر بے چارگی سے بولا۔

”تو پھر تم نہ پھنسو گے تو کیا میں پھنسوں گا۔“ کرنل نے کہا۔

”کرنل صاحب آپ غالباً پولیس کو اطلاع دے چکے ہوں گے؟“

”ہاں دے چکا ہوں۔“

”تو بس اب تشریف لے جایئے۔“ انور نے بے رُخی سے کہا۔ کرنل کُچھ دیر بیٹھا دونوں کو گھورتا رہا پھر اُٹھ کر چلا گیا۔

”ہاں تو پیارے منیجر۔“ انور اُس کی طرف دیکھ کر شرارت آمیز مُسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”مسٹر انور میں بڑی مُصیبت میں پڑ گیا ہوں۔“ منیجر گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔

”سچ مچ بتاؤ۔ پرسوں یہاں ارشاد آیا تھا یا نہیں؟“

”نہیں۔۔۔!“

”شاہد۔۔۔اُس کا پارٹنر۔۔۔؟“

”وہ کلب میں ممبر نہیں تھے لیکن کبھی اُن کے ساتھ آیا کرتے تھے اور آپ کے جانے کے بعد پرسوں وہ آپ ہی کی طرح ارشاد کے متعلّق پوچھنے کے لیے آئے تھے اور کُچھ گھبرائے ہوئے بھی تھے۔“ منیجر نے کہا۔

"اوہو۔۔۔ بہت اچھّے۔ تو تُم بھی پولیس ہی کی طرح ارشاد کا قتل شاہد کے سر تھوپنا چاہتے ہو۔ لیکن تم مُجھے بہلا نہیں سکتے۔ رضوان کو جانتے ہو؟"

"نہیں تو۔۔۔ میں یہ نام پہلی بار سُن رہا ہوں۔"

"بہت اچھّے تو تُم بھی اُس کے قتل کی سازش میں شریک معلوم ہوتے ہو، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ارشاد یہیں سے اُس کے نام پارسل بھیجا کرتا تھا۔ اچھّا خیر تمہارا نام بھی مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں شریک کر لیا جائے گا۔" انور اُٹھتا ہوا بولا۔

"مسٹر انور میں رضوان کو نہیں جانتا۔" منیجر بے بسی سے بولا۔ "ارے سنئے تو سہی۔۔۔ ارے۔۔۔ آپ۔۔۔!"

انور کوئی جواب دیے بغیر منیجر کے کمرے سے نکل گیا۔ منیجر اس طرح کرسی پر پڑا ہانپ رہا تھا جیسے کوئی غیر مرئی قوّت اُس کا گلا گھونٹ رہی ہو۔

انور دِن بھر مارا مارا پھرا اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جلدی اصل مجرم پر قابو

پا جائے گا۔

اُس کا ذہن ایک مخصوص لائن پر سوچ رہا تھا۔ آج وہ ایک بار ساجدہ کے گھر بھی گیا تھا اس بات کی اِطّلاع دینے کہ ابھی تک زبیدہ کا سُراغ نہیں ملا۔ اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ساجدہ نے گھر کے سارے ملازمین کو برطرف کر دیا ہے اور وہ صحیح معنوں میں ایک مُفلس بیوہ کی طرح زندگی بسر کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ ساجدہ نے زیورات اور دوسری قیمتی اشیاء بیچ کر اپنے شوہر کا قرض ادا کرنے کا تہیّہ کر لیا ہے اور اس کے بعد بقیہ زندگی بسر کرنے کے لیے کسی متبرّک مقام پر چلی جائے گی۔ انور اُس کی اس قربانی پر عش عش کرتا ہوا گھر لوٹ آیا۔ اُس نے تہیّہ کر لیا تھا کہ وہ آج اس مسئلے کو سُلجھا کر ہی رہے گا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے بے شمار کاغذات میز پر پھیلا دیے۔ وہ ایک ایک کاغذ کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔

”اُف میرے خدا۔“ اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ کرسی کی پشت سے ٹک کر بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ پھر دفعتاً اُٹھ کر نشست کے کمرے میں آیا۔ وہ اتنی

جلدی میں تھا کہ اُس نے بجلی جلانے کی زحمت گوارانہ کی اور دیا سلائی کھینچ کر اُس کی روشنی میں ٹیلی فون کے نمبر گھمانے لگا۔

"ہیلو آصف۔۔۔!" وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔ "میں انور بول رہا ہوں۔ رضوان جس عورت کا وجود چھپانے کی کوشش کر رہا تھا اُس کا پتہ لگ گیا ہے۔ وہ پیٹر روڈ کے نفیس ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۰ میں مقیم ہے۔ اُس سے بہت کُچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ جلدی کرو۔ مُجھے ڈر ہے کہ کہیں اُس کا بھی وہی انجام نہ ہو جو دھارا سنگھ کا ہوا۔ جلدی کرو میں گھر پر ہی ہوں۔"

انور ریسیور رکھ کر جیسے ہی پلٹا کسی نے دروازے پر دستک دی۔ وہ اس طرح خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ کمرے میں روشنی کیے بغیر ہی اُس نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دفعتاً ایک ٹارچ کی روشنی اُس کے چہرے پر پڑی اور اُس کی چندھیائی ہوئی آنکھوں نے ایک اُس سے بھی زیادہ تیز چمک کی جھلک دیکھی اور پھر وہ ایک چیخ کے ساتھ کمرے کے وسط میں جا گرا۔ اندھیرے کی تہیں اور موٹی ہو گئیں۔ پھر نہ جانے کتنی دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ اپنے پلنگ پر پڑا ہے اور

اُس کا داہنا بازو اس طرح جل رہا ہے جیسے ریشے ریشے میں آگ بھر دی گئی ہو اور پھر اُس کے کانوں میں ایک ایسے گیت کی آواز گونجنے لگی جس سے اُسے بے انتہا نفرت تھی۔ کوئی بھاری اور بے ہنگم آواز میں گنگنا رہا تھا۔

"مان میرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار۔"

"یہ کون بد مذاق ہے۔" انور آنکھیں بند ہی کیے ہوئے زور سے بڑبڑایا۔ "خدا کے لیے اس نفرت انگیز گانے کے بجائے کُچھ اور گاؤ۔ مُجھے قطعی اعتراض نہ ہو گا۔"

"اوہ تمہیں ہوش آ گیا؟" کوئی اُس پر جھک کر بولا۔ انور نے آنکھیں کھول دیں۔

آصف غور سے اُس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ انور نے اٹھنے کی کوشش کی اور اب اُسے تھوڑی دیر قبل کا واقعہ یاد آ رہا تھا۔

"کیا میرے سینے میں زخم ہے؟" انور نے آصف سے پوچھا۔

"نہیں لیٹے رہو۔۔۔ زخم بائیں بازو میں ہے۔" آصف نے کہا۔ "مگر وہ تھا کون؟"

”مُجھے افسوس ہے کہ وہ اپنا نام بتانا بھول گیا۔“ انور جھلّا کر بولا۔

”ارے جنگلی اس حالت میں بھی تمہاری زبان نہیں مانتی۔“ آصف مُسکرا کر بولا۔

”زبیدہ کہاں ہے؟“

”اس نے زہر کھالیا۔ میں اُسے پولیس کی گاڑی میں کوتوالی لے جارہا تھا اُس نے ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر زہر کھالیا اور وہ زہر بھی اتنا سریع الاثر تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ختم ہو گئی۔ کُچھ ایسے واقعات پیش آرہے ہیں کہ عقل ہی کام نہیں کرتی۔۔۔وہ لڑکی تھی کون؟“

”ایک مظلوم لڑکی۔ میں نے سوچا تھا کہ شاید حوالات میں اُسے پناہ مل سکے۔ خیر اُسے مرنا تو تھا ہی۔ زہر نہ کھاتی تو قتل کر دی جاتی۔ وہ ارشاد کے قتل کے سِلسِلہ میں بہت کُچھ جانتی تھی لیکن بتانے سے پہلے ہی چل بسی۔“

اور پھر انور نے آصف کو زبیدہ کے متعلّق سب کُچھ بتا دیا۔ لیکن اُس پرچے کے بارے میں کُچھ نہیں بتایا جو زبیدہ کے کمرے میں گرا تھا۔

”یہ بہت بُرا ہوا۔“ آصف آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”تمہیں پہلے ہی مُجھے اِس کی اِطّلاع دینی چاہیے تھی۔“

”سنو آصف! میں اتنا پتھّر نہیں ہوں جتنا کہ لوگ مُجھے سمجھتے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ زبیدہ کا نام منظرِ عام پر نہ آئے۔ وہ دُنیا کی مظلوم ترین ہستی تھی۔ مگر پھر مُجھے مجبور ہو جانا پڑا۔ مُجھے یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں اُس کا بھی وہی حشر نہ ہوا ہو جو دھارا سنگھ کا ہوا۔“

”تمہاری اسی احتیاط نے اُس کی جان لی۔“ آصف نے کہا۔

”نہیں آصف، پولیس جب بھی اُسے حراست میں لینے کی کوشش کرتی، زندہ نہ پاتی۔ یہ سمجھ لو کہ انور جس سے ہار جائے دُنیا کی کوئی طاقت اُسے قابو میں نہیں لا سکتی۔ وہ پولیس کو ایک لفظ بھی نہ بتاتی۔“

آصف خاموش ہو گیا۔ اُس کی نگاہیں تفکّر آمیز انداز میں انور کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تو کیا اب قاتل کا پتہ نہ لگ سکے گا؟" آصف نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"ایسا تو نہیں۔" انور مُسکرا کر بولا۔ "کل تم اُسے مردہ یا زندہ پولیس کی لاری میں لاد کر کوتوالی لے جاؤ گے۔"

"وہ کون ہے؟" آصف نے بے ساختہ پوچھا۔ انور مُسکرانے لگا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ آصف کی بے چینی قبل از وقت اور فضول ہے۔ وہ ابھی ایک لفظ بھی نہیں بتا سکتا۔

"میں خود نہیں جانتا۔" انور نے کہا۔ "لیکن کل وہ یقیناً میرے قابو میں ہو گا۔ اوہ۔۔۔ رشیدہ کہاں ہے؟"

"دوا لینے ڈاکٹر کے ساتھ گئی ہے۔" آصف نے کہا۔

"اوہ تو ڈاکٹر مُجھے دیکھ چکا ہے؟"

"ہاں۔۔۔ لیکن تم یہ کیوں نہیں بتاتے کہ حملہ آور کون تھا؟"

"بھئی میں خود نہیں جانتا۔ اُس نے پہلے میرے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈال کر مُجھے چُندھیا دیا۔ پھر شاید چاقو سے وار کیا تھا۔"

"ہاں زخم چاقو کا ہے۔ مگر زیادہ گہرا نہیں۔" آصف نے کہا۔ "میں زبیدہ کی لاش کو ہسپتال پہنچا کر سیدھا یہیں آیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ ٹارچ جلائی تو تُم فرش پر پڑے دِکھائی دیے۔ رشیدہ بھی موجود نہیں تھی لیکن وہ تھوڑی دیر بعد آ گئی۔ میں نے فون پر ڈاکٹر کو بلا لیا تھا۔ رشیدہ بہت پریشان تھی۔ واقعی وہ تمہیں بہت زیادہ چاہتی ہے۔"

"دوست چاہتے ہی ہیں۔ وہ میرا دوست ہے۔ میں اُسے لڑکی نہیں سمجھتا۔" انور آنکھیں بند کر کے بڑبڑایا۔

"کیا تُم اِس کی رپورٹ پولیس کو دو گے؟" آصف نے پوچھا۔

"یقیناً جو دِل چاہے لکھ دینا۔" انور نے کہا۔ "لیکن شُبہے میں رضوان کا نام ضرور لکھوا دینا۔ وہ کل مُجھے زبیدہ کے سِلسِلے میں دھمکی دے کر گیا تھا۔ اُس کا نام اخبار

میں بھی آجائے تو اور اچھّا ہے میں وجہ نہیں بتاؤں گا بس۔"

قاتل کون

دوسرے دِن پولیس رضوان کی تلاش میں تھی اور وہ کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اخبارات میں زبیدہ کی تصویر اور اُس کی درد بھری کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس طرح پبلک ارشاد کے ایک اور سیاہ کارنامے سے واقف ہوئی۔ لیکن اب اُس کے قاتل کا نام جاننے کے لیے لوگوں کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔ اُسے شاہد نے قتل کیا تھا یا رضوان نے؟ انسپکٹر آصف نے شاہد کی بیوی کو حراست میں لے لیا تھا۔ ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کی گرفتاری زیرِ غور تھی۔

لوگوں کو توقّع تھی کہ اس بار پھر کرائم رپورٹر انور ہی قاتل کی گرفتاری کے

سِلسِلہ میں پولیس کی رہنمائی کرے گا۔ کیونکہ انور پر اچانک حملے سے تو یہی ثابت ہوتا تھا کہ وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ چکا ہے۔ اس لیے قاتل نے اُسے بھی اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی۔

انور آج آفس نہیں گیا۔ حالانکہ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اور نہ وہ کوئی خاص تکلیف ہی محسوس کر رہا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ باہر نہیں نکلا۔ انسپکٹر آصف نے اُس کے گھر کے کئی چکر لگائے لیکن اُس سے کوئی کام کی بات نہ معلوم کر سکا۔ وہ اُسے بچّوں کی طرح بہلاتا رہا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے اس وعدے پر قائم تھا کہ آج وہ قاتل کو پولیس کے حوالے کر دے گا۔ اُس نے رشیدہ کو بھی کُچھ نہیں بتایا۔ حسبِ معمول رشیدہ دفتر چلی گئی اور جب وہ شام کو واپس آئی تو انور کو پہلے ہی کی طرح کتابوں میں ڈوبا ہوا پایا۔

”کیا وہ قاتل اِن کتابوں کے کسی صفحے سے چپکا ہوا ہے؟“ رشیدہ بولی۔

”نہیں وہ تمہاری کٹیلی آنکھوں سے جھانک رہا ہے۔“ انور نے کہا اور کتاب بند کر

کے میز پر رکھ دی۔ وہ تھوڑی دیر تک تفکّر آمیز انداز میں رشیدہ کی طرف دیکھتا رہا پھر کرسی سے اُٹھتا ہوا بولا۔ "اچھّا میرے دوست! اب اس ڈرامے کے آخری سین کے لیے تیّار ہو جاؤ۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"غالباً ہمارے دونوں پستول ٹھیک حالت میں ہوں گے؟" انور نے کہا۔

"ہاں ہیں تو لیکن تمہارا ارادہ کیا ہے؟"

"ایک گیدڑ کی بھٹ میں گھُسنا ہے جسے لوگ خواہ مخواہ بھیڑیا سمجھے بیٹھے ہیں۔"

"تمہارا اشارہ قاتل کی طرف ہے؟" رشیدہ نے کہا۔

"ہاں۔"

"لیکن وہ ہے کون؟"

"بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ ذرا اندھیرا پھیلنے دو۔" انور نے کہا۔ "ہاں رشو، اُن

پستولوں کو ایک بار پھر دیکھ لیا جائے۔"

رشیدہ اپنے کمرے سے دونوں پستول لے آئی۔ انور آنکھیں گھما پھرا کر دیکھنے لگا۔

"تو کیا پولیس کی مدد نہ لو گے؟" رشیدہ نے کہا۔ "پولیس بعد کی چیز ہے۔ اگر اُس نے مُجھ پر حملہ نہ کیا ہوتا تو میں خواہ مخواہ کی دردِ سری مول نہ لیتا۔ مگر اب ضروری ہو گیا ہے۔"

"تو پھر میں اس غرارے اور دوپٹے کو تہہ کر کے بکس میں رکھ دوں؟" رشیدہ نے کہا۔

"قطعی۔۔۔!" انور نے کہا اور سگریٹ سلگا کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ لباس تبدیل کر کے آ گئی۔ اُس نے کتھئی رنگ کے چمڑے کی جیکٹ اور خاکی گیبرڈین پتلون پہن رکھی تھی۔

اس وقت انور سچ مچ اُسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”شاباش۔۔۔ اب تم اس وقت ایک جوان عورت نہیں مرد معلوم ہو رہی ہو۔“

انور بے اختیار بولا۔

”اور یہ گھونسا۔۔۔؟“ رشیدہ مُٹھّی باندھ کر انور کے چہرے کے سامنے نچاتی ہوئی بولی۔

”بہت لذیذ۔۔۔ لیکن ابھی اس کے استعمال کا وقت نہیں۔“

تھوڑی دیر بعد اُس کی موٹر سائیکل شہر کی متعدّد سڑکوں پر فرّاٹے بھرتی پھر رہی تھی۔ انور نے اس دوران میں رشیدہ کو اپنی پوری اسکیم سے آگاہ کر دیا تھا۔ موٹر سائیکل کی رفتار آسکر اسٹریٹ میں پہنچ کر کم ہو گئی اور پھر وہ دونوں اُتر پڑے۔ موٹر سائیکل ایک سڑک کے کنارے کھڑی کر کے وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ آسکر اسٹریٹ پُر سکون سڑک تھی جس کے دونوں اطراف عالی شان کوٹھیاں تھیں۔ یہاں زیادہ تر متموّل لوگ رہتے تھے۔

تقریباً نو بج گئے تھے۔ سردیوں کی رات تھی اور جلد ہی چاروں طرف سنّاٹا چھا گیا

تھا۔ اکثر کوٹھیوں کی جالیوں، کھڑکیوں اور روشن دانوں سے روشنی چھن کر سڑک پر آرہی تھی۔ وہ دونوں ساجدہ کی کوٹھی کے سامنے رُک گئے۔ یہاں بھی چاروں طرف سنّاٹے اور تاریکی کا راج تھا۔ رشیدہ کوٹھی کا چکّر لیتی ہوئی پچھواڑے کی طرف چلی گئی اور انور برآمدے کی طرف بڑھا۔ پے در پے گھنٹی بجانے کے بعد ایک دروازہ کھلا اور برآمدے میں روشنی پھیل گئی۔

''کون ہے؟''

''اوہ ساجدہ۔۔۔!'' انور آگے بڑھ کر بولا۔

''انور۔۔۔ کیوں۔۔۔ کیا ہے؟'' ساجدہ اونچی آواز میں بولی۔

''میں بہرہ نہیں ہوں۔'' انور نے کہا۔

''رضوان کے متعلّق کُچھ پوچھنا ہے۔ کیا تم نے آج کا اخبار نہیں پڑھا۔۔۔؟'' انور کمرے میں گھُستا ہوا بولا۔

''کیوں تم میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔'' ساجدہ بے بسی سے بولی۔

”رضوان نے تمہارے سامنے مُجھے دھمکی دی تھی۔ کیا تم میری طرف سے گواہی دو گی؟“ انور ایک صوفے میں دھنستا ہوا بولا۔

”مُجھے کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔“ ساجدہ بیزاری سے بولی۔

”ایسا نہ کہو۔“ انور انتہائی جذباتی لہجے میں بولا۔ ”مُجھے اب بھی تم سے محبّت ہے۔“

ساجدہ غم انگیز نظروں سے اُسکی طرف دیکھنے لگی۔ شاید اُس کی آنکھوں میں آنسو بھی تھے۔ ”انور اب اِس قصّے کو مت چھیڑو۔ میرا دِل دُنیا سے اُچاٹ ہو گیا ہے۔“ ساجدہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔

”غالباً اسی لیے تُم ارشاد کی ڈاڑھی بڑھنے کا انتظار کر رہی ہو تاکہ اُسے ایک مولوی کے بھیس میں حج کا بہانہ کر کے یہاں سے نکال لے جاؤ۔“ انور نے اپنا ایک ہاتھ جیب میں ڈالتے ہوئے اطمینان سے کہا۔ ساجدہ بے اختیار اُچھل پڑی۔ وہ انور کو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً سامنے والے کمرے سے ایک فائر ہوا۔ اگر انور پہلے ہی سے غیر ارادی طور پر ایک طرف نہ جھُک گیا ہوتا تو اُس کا شکار ہو

جانا یقینی تھا۔ دفعتاً وہ اُچھل کر ساجدہ پر آ رہا اور اُسے ڈھال بنا کر پستول نکالے ہوئے کھڑے ہو گیا۔

"ارشاد تمہاری دوسری گولی ساجدہ کے لگے گی۔" انور چیخ کر بولا۔ "تم یہاں سے بھاگ نہیں سکتے۔ چاروں طرف پولیس لگی ہوئی ہے۔"

ساجدہ اُس کی گرفت سے نکلنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔

"تم ایک اچھّی اداکارہ ہو۔" انور آہستہ سے بولا۔ "اور ہندوستانی صنعت فلم سازی کا ایک روشن مُستقبل۔۔۔!"

ساجدہ اُسے بے تحاشا گالیاں دے رہی تھی۔

دفعتاً سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا اور ارشاد اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے باہر آیا۔

اُس کے پیچھے رشیدہ تھی جس کے پستول کی نالی ارشاد کی کمر میں چھبی ہوئی تھی۔

"بہت اچھّے۔" انور بچّوں کی طرح چیخا۔ رشیدہ داد طلب نگاہوں سے انور کی طرف دیکھنے لگی اور ارشاد نے پھرتی سے پلٹ کر ایک ہاتھ اُس کے پستول پر مارا اور دوسرے ہاتھ سے اُسے پیچھے دھکیل دیا۔ دوسرے لمحے میں وہ جست لگا کر دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لیکن انور کے پستول سے ایک شعلہ نکلا اور ارشاد بر آمدے میں پہنچتے پہنچتے چیخ مار کر گر پڑا۔ انور ساجدہ کو چھوڑ کر اُس کی طرف لپکا۔ رشیدہ جو زمین سے اُٹھ گئی تھی ساجدہ پر جھپٹ پڑی۔

گولی ارشاد کے پیر میں لگی تھی۔ وہ ایک زخمی کُتّے کی طرح زمین پر پڑا غرّا رہا تھا۔ انور اُسے بے دردی سے کھینچتا ہوا پھر کمرے میں لے آیا۔ رشیدہ اور ساجدہ ابھی تک گتھّی ہوئی تھیں۔

انور نے زمین پر پڑا ہوا پستول اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"رشو۔۔۔اب یہ سِلسِلہ ختم بھی کرو۔" انور اُکتائے ہوئے لہجے میں بولا اور رشیدہ نے ساجدہ کا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ وہ لہرا کر زمین پر آرہی اور بے ہوش ہو گئی۔

"اگر تم کل رات کو مُجھ پر حملہ نہ کرتے تو شاید میں یہ تکلیف گوارانہ کرتا۔" انور ارشاد کی طرف دیکھ کر بولا۔ "شاہد، دھارا سنگھ اور زبیدہ کا خونِ ناحق تمہاری گردن پر تھا اور تم حج کرنے جارہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ تمہاری بیوی بڑی ہوشیار ہے مگر اس نے اِس معاملہ میں مُجھ سے مدد لے کر غَلَطی کی۔۔۔ مگر نہیں، وہ تمہیں شاہد کی لاش تو اپنی لاش ثابت کرنی تھی۔ شاہد کو اپنا مفرور قاتل بھی ثابت کرانا تھا اور اِسی لیے تُم نے اُس کے قتل کا وہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اُس کی شکل ہی بگڑ جائے۔ ظاہر ہے جب تمہاری بیوی ہی شاہد کی لاش کو تمہاری لاش تسلیم کر لیتی تو کسی کو کیا اعتراض ہوتا۔ مگر تم نے اِس سِلسِلے میں دو اہم غَلَطیاں کیں۔ ایک تو شاہد کی بیوی کو جعلی خط اور دوسرے وہ پرچہ جو تُم نے پنسل سے گھسیٹ کر زبیدہ کے کمرے میں ڈالا تھا۔ تم نے اپنا جرم چھپانے کے لیے اتنی حماقتیں کیں کہ خُدا کی پناہ۔"

انور ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

"ہیلو آصف۔۔۔ میں ۱۳ آسکر اسٹریٹ سے بول رہا ہوں۔ وعدے کے مطابق

تمہارا شکار میرے قابو میں ہے۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں زیادہ انتظام کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک خارش زدہ گیدڑ کی طرح بے بس پڑا ہے۔"

آصف نام پوچھتا ہی رہ گیا مگر انور نے ریسیور رکھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

"ساری پرانی دُشمنی تم آج ہی نکال لوگے؟" ارشاد نے آہستہ سے کہا۔

"میں نے صرف کل رات کے حملے کا انتقام لیا ہے۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔

"اس کا مطلب کُچھ اور ہے۔" رشیدہ نے مُسکرا کر کہا۔ انور کو اُس کی مُسکراہٹ بڑی سفّاک معلوم ہوئی۔ اُسے یہ سوچ کر خوشی ہوئی کہ وہ ایسے ماحول میں بھی مُسکرا سکتی ہے۔

"ساجدہ بے قصور ہے قطعی بے قصور۔ دیوالیہ ہو جانے کے بعد اور یہ محسوس کرنے پر کہ اب ہیرے کی کان کا اسسٹنٹ زیادہ نہیں چل سکتا۔ میں نے یہ پروگرام بنایا تھا۔" ارشاد نے کہا اور درد کی شدّت کی وجہ سے کراہنے لگا۔ تھوڑی

دیر بعد وہ پھر بولا۔ "میں نے ساجدہ کو اپنی پوزیشن بتا کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ میرے پاگل پن کی فرضی داستان لے کر تمہارے پاس جائے اور میں کسی دوسرے ملک کو فرار ہو جاؤں۔ اگر میں اُس سے یہ بتا دیتا کہ میں اپنی فرضی خُود کُشی کو منظر عام پر لانے والا ہوں تو وہ کبھی اس پر تیّار نہ ہوتی۔ پھر میں نے شاہد کو تار جام لے جا کر قتل کر دیا اور دھارا سنگھ نے شاید کُچھ دیکھ لیا تھا۔ اس لیے مُجھے اُسے بھی قتل کر دینا پڑا۔ بہر حال ساجدہ بے قصور ہے۔ تم اسے بچانے کی کوشش کرنا۔"

"کیا تم اُس دِن شاہد کے ساتھ زبیدہ کے پاس گئے تھے؟"

"ہاں۔۔۔ اور میں نے یہی سب سے بڑی غَلَطی کی تھی۔"

"تم نے دیکھا کہ وہ کس طرح تم پر قربان ہو گئی؟" انور نے نفرت سے منہ سکوڑ کر کہا۔ "تم جیسے ناپاک آدمی کے لیے اُس نے جان دے دی۔"

ارشاد نے اپنا منہ بازوؤں میں چھپالیا۔

تھوڑی دیر بعد آصف کُچھ کانسٹیبلوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ ارشاد کو دیکھ کر اُس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

انور ہنسنے لگا۔

"میں جھوٹے وعدے نہیں کرتا۔" انور بولا۔

"مگر۔۔۔ مگر۔۔۔!" آصف ہکلایا۔

"ہاں ہاں یہ ارشاد ہے۔ اُس کا بھُوت نہیں۔ جس کا قتل ہوا وہ شاہد تھا۔۔۔ رضوان کا اس معاملے میں کوئی ہاتھ نہیں۔ وہ صرف زبیدہ والے حادثے کے سِلسِلے میں روپوش ہو گیا ہے۔ یہ معمّہ اب ایسا نہیں رہ گیا کہ جسے تم نہ حل کر سکو۔ اچھّا گُڈ نائٹ۔ آؤ رشو چلیں۔ ہم نے ابھی کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔"

"مگر سنو تو سہی۔"

"اور جو کُچھ پوچھنا ہو گھر آ کر پوچھنا۔ ان دونوں کو فی الحال لے جاؤ۔" انور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

”مگر میں حکم دیتا ہوں۔“ آصف بُلند آواز میں بولا۔

”اچھّا جی۔“ انور پلٹ کر بولا۔ ”پھر اڑنے لگے۔ تمہارے لیے یہی کیا کم ہے کہ اس کامیابی کا سہرا تمہارے سر باندھ رہا ہوں۔ مُجھے تو اپنے اخبار کی رپورٹ سے مطلب ہے۔ مگر ہاں کُچھ کھانے کا انتظام کر سکتے ہو؟“

تھوڑی دیر بعد انور اور رشیدہ ایک ریستوران میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ”اگر وہ پرچہ میرے ہاتھ نہ لگتا تو میں کبھی اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکتا۔“ انور نے کہا۔ ”خیر چھوڑو ہٹاؤ۔ کوئی اور بات کرو۔ زبیدہ مُفت میں ماری گئی۔ اُس کے اِس جذبے کی میں قدر کرتا ہوں۔ کسی قاتل کا ساتھ دینے کے لیے بڑی ہمّت چاہیے اور یہ معلوم ہو جانے کے باوجود بھی وہ حتّیٰ الامکان اُسے بچانے کی کوشش کرتی رہی کہ اُس کا تعلّق دوسری عورتوں سے تھا۔“

”مُجھے تو اُس سے قطعی ہمدردی نہیں۔“ رشیدہ نے کہا۔

”اور مُجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔“ انور بولا۔

”بہر حال ساجدہ جیل ضرور جائے گی۔“

”اونہہ چھوڑو بھی۔ اس وقت رومانی گفتگو کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔“ انور سنجید گی سے بولا۔

”دیکھو فضا کتنی خوشگوار ہے۔ رات گیسوؤں کی طرح تاریک ہے اور تمہارے گیسو، تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہیں۔ ان میں آسمان سے ستارے اترے آرہے ہیں۔ رشو فوراً آنکھیں بند کر لو۔ کہیں پھوٹ نہ جائیں۔ ستارے بہت وزنی ہوتے ہیں۔ سُنا ہے کہ بعض ہماری زمین سے بڑے ہوتے ہیں۔“ رشیدہ بے اختیار ہنس پڑی۔

ختم شد